



جس میں نہ ہوا انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ اُحیٰ کی حیات کشمکش انقلاب (علامہ اقبال)

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

جلد
نشان

- | | |
|----|---|
| ۱ | ۱۔ علامہ اقبال اور فلسفہ لا الہ الا اللہ (وحانیت) |
| ۷ | ۲۔ علامہ اقبال اور فلسفہ محمد رسول اللہ (وفائے رسالت) |
| ۱۲ | ۳۔ دہرین اسم محمدؐ ہے اُجلا کردے (ذریعہ اتباع رسولؐ) |
| ۱۸ | ۴۔ علامہ اقبال اور فلسفہ حقیقت اذات |
| ۲۰ | ۵۔ علامہ اقبال اور فلسفہ نماز مسجد و روزہ |
| ۲۵ | ۶۔ (الف) نماز کا مذاق اور قدرت کے طمانچے |
| ۲۵ | ۷۔ (ب) مسلمانوں کا دعوتِ افطار قبول کرنا اور ساتھ ادا کی نماز |
| ۲۶ | ۸۔ (ج) نماز بھی پوجا بھی اور مسلمان بھی |
| ۲۷ | ۹۔ (د) فلسفہ اور حقیقت مسجد |
| ۲۸ | ۱۰۔ (ط) مسجدِ بابری اور دیگر مساجد |
| ۳۰ | ۱۱۔ (ی) مسلمان اور مسجدوں کے بطوارے |
| ۳۱ | ۱۲۔ (۶) علامہ اقبال مسلمان، رمضان اور ہلالِ عیدِ الفطر |
| ۳۵ | ۱۳۔ (۷) علامہ اقبال اور فلسفہ حج |
| ۳۸ | ۱۴۔ (۸) علامہ اقبال مسلمان اور قرآن |

• بار اول اکتوبر ۱۹۸۶ء (۱۰۰۰)

• بار دوم ۱۲ جنوری ۱۹۸۷ء (۱۰۰۰)

• بار سوم ۳۰ اپریل ۱۹۸۷ء (۱۰۰۰) (مزید اضافات کیلئے)

علامہ اقبال اور فلسفہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (وحدانیت)

AUG 1989

دیکھئے کہ تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ "پہلے الفاظ میں اور پھر آسانی سے کوئی یہ کہہ دے گا کہ اس کے معنی ہیں۔ "ہمیں ہے کوئی معبود مگر اللہ" اس کا مطلب وحدانیت کا اقرار ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ جہان تک مطالب کی گہرائی اور عمل کا سوال ہے یہ ایک بحر بیکران ہے اور ہر ایک کے لئے اس بیکران سمندر کو پار کر کے بلاختم و امتحان ساحلِ مراد تک پہنچنا اتنا آسان نہیں جیسا کہ ہر ایک نے سمجھ لیا ہے۔ وحدانیت کا زبان سے قرار کہ اللہ ایک ہے، مگر لینا کافی ہوتا تو یہ مسئلہ بھی بہت آسان ہو جاتا۔ لیکن یہاں تو قدم قدم پر امتحان اور عملی طور پر استدلال کا ثبوت دیتے ہوئے منزل مقصود جو برقی مسافت کی ہوئی ہوئی ہے، یہ نہ بخینا ہے، ماضی اور حال میں یہ فرق ہے کہ ماضی میں اس مسئلہ میں قدم قدم پر قریائیاں اور امتحانات کی کھنکھن مٹھیں ملے گئی ہوتی تھیں۔ تو مسئلہ مقصود ہاتھ آتی تھی۔ اور آج بلا عمل "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہہ دینا کافی سمجھ لیا گیا۔ اور ایک نہ بانی علم بنا کر رکھ دیا گیا ہے کہ صرف اس پر بحث کی جائے۔ علامہ نے اس بات کو کس قدر صحیح انداز میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی ؛ آج کیا ہے فقط ایک مسئلہ علمِ کلام
روشنی اس ضو سے اگڑت کر دلا رہا ہو ؛ خود مسلمان سے پوشیدہ ہے مسلمان کا مقام
آہ اس راہ سے واقف ہے مگر نہ فقیر ؛ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
مسئلہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ صرف ایک مسئلہ علمِ کلام نہیں جس کو زبان سے حل کر لیا
جاسکے بلکہ اس نے ہمیشہ عمل طلب کیا ہے اور اس عمل نے مسلمان کو اعلیٰ کردار عطا کیا ہے
اس عمل کے میدانِ بے کنارے نہ ابھی کو کبھی لوق و دق خوفناک صحراؤں سے گزرنا ہوتا ہے تو
کبھی پیرِ خار راہ سے جو بڑی صبر آزمایا اور کھنکھن ہوتی ہیں کبھی اس منزل کے مسافر کو
وحدانیت کی گرم گرم ریت پر لٹا کر وحدانیت کا وزنی پتھر اس کے سینے پر رکھ دیا جاتا
ہے تو بھی اس کے زبان سے لفظِ شکایت نہیں بلکہ صرف "احد۔ احد" ہی نکلتا ہے۔
یہ مقام بلالی کی منزل ہوتی ہے جو عرشِ الہی تک بندہ کو پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے علامہ
نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے بارے میں چاروں دہ نامہ میں کہا ہے

ایں دو حروف لا الہ گفتار نیست، لا الہا جز تیغ بے زہ ہزار نیست
 اس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ لا الہا محض گفتار کے دو حروف نہ سمجھ لئے جا
 ایسی تلواریں ہیں جو کبھی خطا نہیں کرتی اور ایسی ضرب کاری رکھتی ہیں کہ —
 مثل کلیم ہو اگر مہر کہ از ما کوئی، اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ ا
 گویا یہ وہ تلواریں ہیں جو راستے کی سب سے کاٹوں کو کاٹ کر اور دل سے دنیا کے خود
 کر اللہ تک پہنچانے کے راستے ہموار کرتی اور دل میں باقی رکھتی ہے تو صرف خوف
 محبت الہی۔

لا کے بظاہر معنی تو ہمیں ہیں لیکن لا ایک شمشیر جگر دال ہے جو حضرت
 کے ہاتھ میں آئی تو ہر مصنوعی معبود تک آپ نے اس شمشیر سے سہاڑا دیا۔
 ابراہیمؑ منزل کی تلاش میں تھے تو کبھی آفتاب کبھی ماہتاب کبھی تارے بہر حال
 جو ظاہری چمک اور قوت کی حامل نظر آئی، دیکھ کر غور فرماتے کیا یہ میرا اللہ
 ہے۔ پھر اس کو زوال پذیر ہوتے دیکھتے تو ہر مصنوعی معبود کا سہاڑا اس لا کی
 اڑا دیتے یعنی فرماتے لا (نہیں) لا الہ (یہ معبود نہیں) پھر منزل مقصود پر پہنچے
 اللہ کی منزل یہ منزل یقین آئی اور جب آپ کی زبان مبارک سے نکلا لا (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ) جب سب مصنوعی معبودوں کے انکار کے بعد یعنی
 تلواریں سے مصنوعی معبودوں کے سہاڑا کر ان کی چھوٹی عزت و ناموس کی ناک
 کر منزل یقین و حقیقت الا اللہ کی منزل پر پہنچ گئے تو یہ منزل سب سے
 سکھن اور امتحانات لینے والی نکلی۔ چونکہ آپ نے ذات واحد کا اقرار کر لیا
 کی محبت کا دعویٰ کر دیا۔ اقرار و محبت کے دعویٰ کی دیر تھی کہ امتحانات کی خطرناک
 صبر آزمائیوں نے سامنے آ کر صبر و سکون سے ان منزلوں کو طے کرنے کی دہ
 ہی نہیں دی بلکہ چیلنج دیا۔ اس قدر طویل کشمکش کے بعد مجبور حقیقی تک پہنچے
 حقیقی نے حضرت ابراہیمؑ سے امتحانات چاہے جو کبھی قرآن کی قرآنی کی صورت
 تھے تو کبھی نار و غرور کی شکل میں ایسی ہولناک خوفناک ناقابل بیان و ناقابل
 آگ کہ جس کے شعلوں کی گرمی کو سون کے فاصلے پر بھی آدمی کو ختم کر دیتے تھے
 کی حامل تھی مگر حضرت ابراہیمؑ کے ایمان اور یقین کی گرمی کے سامنے یعنی الا اللہ کی

کے آگے عمرو کی اس آگ نے ہار مان لی اور حضرت ابراہیمؑ کے پائے استقلال اور یقین نے بحکم خدا اس آگ کو آپ کے لیے ٹکڑا کر بنا کر منکرانِ خدا کو اَلَا اللّٰہ کا کرشمہ دکھا کر حیران و ششدر کر دیا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

آج بھی ہوا اگر ابراہیمؑ علمائے ایمان پیدا ہو آگ کر سکتی ہے اندازہ حکمتاں پیدا بہر حال علی امتحانات سے کوئی یہ غم نہ منی بچانہ کوئی مرد خدا۔ مرد دتا تو صرف زبان سے ہی سب مسئلہ ہم غم خوش طے کر کے اپنے آپ کو مردِ کامل سمجھ بیٹھے ہیں اور دراصل قلب میں کئی بتِ پندار بٹھا رکھتے ہیں۔ علامہ اس لئے فرماتے ہیں۔

زبان سے کر گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل پڑیایا ہے بتِ پندار کو ایسا خدا تو نے مردانِ خدا کے لئے تو امتحانات کا یہ حال تھا کہ اگرے سے سرتاپا پھیر دیا گیا اور حکمِ ذریمہ جبرئیلؑ عیسیٰؑ کہ زبان سے اُف بھی نکلے تو نبوت کی فہرست سے نام خارج کر دیا جائے گا۔ تفصیل حکم میں سرتاپا جسمِ مبارک دو ٹکڑوں میں کٹ کر رہ گیا مگر زبان سے لفظ ”اُف“ نہ نکلا البتہ خون کا ہر قطرہ اپنی زبان سے اَلَا اللّٰہ پر کار تار رہا۔ کبھی علی ثبوت کے امتحان کی منزل اس انداز سے آئی کہ ٹھیلی کے پیٹ میں برسوں رہ کر کہ لا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ سَکِیْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس کی ذات پاک ہے۔ بیشک میں قصور وار ہوں، ظالمین میں سے ہوں) کہہ کر اللہ کے یقین کا ثبوت دینا پڑا۔ کبھی شعیبؑ کی گھاٹیوں میں تین سال بے آب و دانہ مقید رہ کر یہ ثابت کیا گیا کہ بطورِ علم و حدائیت اقتدار اور ہے اور فقر کے میدان میں عمل کے ذریمہ و حدائیت کے اقرار میں مرے اٹھانا اور ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

علم کا موجود اور فقر کا موجود اور ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ﴾ کبھی یہ خوار منزلوں سے گزر کر بھی وطن سے نکل کر ہجرت کے مصائب سے ہٹنا نہ ہو کر لا کی تلوار سے مصنوعی معبودوں کے سہ جنگِ بدر و احد و جنگِ خندق وغیرہ میں کاٹ کر اِلٰہ کا اعلان کرنا پڑا۔ علامہ نے اس طرح اس وقت کا اور آج کے دور کا تقابل کیا ہے۔

نہاؤ زندگی میں ابتداء لا انتہا لا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَمُوتُوْا﴾ پیغام موت ہے جب جب لا ہوا لا سے بچنا وہ ملتِ روح جسکی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی۔ یقین جاکہ ہوا نہ میر لب اس ملت کا یہ سمانہ

آج کل اس بھی ہو رہا ہے کہ ملت کا پیغام نہ میر لب ہو کر رہ گیا ہے۔ علامہ بہت غمناک

ہیں کہ اب مسلمانوں کے ہاتھ لاکھ شمشیر نہیں رہی بلکہ تہذیبِ حاضر نے شمشیر لا ان کے ہاتھوں
چھین کر لاکھ شراب سے مسلمانوں کی زندگی کا شیشہ لبالب بھر دیا ہے اور تہذیبِ گنا
(جتنی سے مدرسہ دینی کے معلم اور مدرسہ دینی کے نام نہاد مرشد و ملا مراد ہیں) نے جو
جن کے ہاتھوں لاکھ ایمانہ نہیں ہے۔ لاکھ شراب سے قوم کو بدست بنا رکھا ہے جو
ہیں۔ لبالب شیشہ تہذیبِ حاضر ہے مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں ہیں نہ اللہ
جب یہ عہد رسالت آیا سینے لاکھ اللہ کی گرمی سے گرم کر منور ہو گئے اور جب اللہ کو مان لیا تو
اس کے رسول سے ماننے والوں نے اللہ کی حقیقت اور تعریف جانتی چاہی تو حکم الہی ہوا یعنی

کہ کہہ دو۔
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ ۞ وَلَمْ
يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ
کسی نے اسے جنم دیا اور کوئی اس کے برابر نہیں ہے۔

اب قل هو اللہ کی شمشیر نے مومنوں کے سینوں کو بے داغ بنا ڈالا۔ سینے
میں جتنی ناواجبی منشاء الہی کے خلاف خواہشات تھیں سب کو کاٹ کر ختم کر دیا اور مومن کے
سینے قل هو اللہ کی تلوار کے نیام بن گئے اور علی الہی سے روشن اور بے غلط کر دار
بے داغ ہو کر متورہ ہو گئے۔ مگر علامہ فرماتے ہیں کہ اے رسولِ پاک آپ کی امت کہلاتے والوں
کے سینے اب —

میں نے اے میرے پیہری سپہ دہی ہے، قل هو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام
علامہ اقبال نے قل هو اللہ کے نورانی وحیانت سے لبریز سورہ کی ہر آیت پر
بوزِ بخود دی، میں ذریعہ اشعار تفسیر فرمائی ہے۔ قل هو اللہ احد پر (۱۸) اشعار
۝ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا
احد پر (۲۳) اشعار کے ذریعہ جو حقائق آشنا تفسیر روح پرور انداز سے بیان کی
ہے اس کا مطالعہ ہر مومن کیلئے باعثِ سعادت اور تقویتِ ایمان کا موجب ہے اور پھر
امت کیلئے رہبری بغرضِ ترقی بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر قل هو اللہ احد (حصہ سوم)
ضربِ کلیم میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے عنوان سے علامہ نے جو اشعار لکھے ہیں اس میں

فرماتے ہیں۔ یہ دور اپنے ابراہیمؑ کی تلاش میں ہے۔ اگر ابراہیمؑ اس دور کو میسر آجائے تو صتم کدوں میں لا الہ الا اللہ کا راج ہو جائے گا۔ یہ مال و دولت دنیا کی یہ دینی رشتے و تعلقات جو تجھے اللہ سے ہٹا کر قریب سود و زیاں کے امتیاز سے محروم کر رکھے ہیں۔ پھر لا الہ الا اللہ اپنا کام کر دکھائے گا تو نعمہ فصل گل و لالہ کا پاندر رہے گا۔ اور نہ ہی بہار و خزاں کے امتیاز سے تو متاثر ہو سکے گا۔ جس طرح رسول اللہ کے دور میں ایک عجمی بخلوں میں بت لئے کھڑی تھی اور بخلوں سے بت گزر گئے آج بھی ایسی جماعت اپنے آستینوں میں بت لئے آئی ہے تو آنے دو۔ ”مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ“ جب میں اپنا فرض انجام دوں گا تو یہ بت آنے والوں کے آستینوں سے خود بخود گر جائیں گے۔

باطل دوئی کیسے ہے حق لاشریک ہے، شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول علامہ آجکل کے مسلمانوں سے جو نہ بانی سے لا الہ الا اللہ کہنے کو کافی سمجھتے ہیں یوں مخاطب ہیں۔

مسلمان ہے توحید میں گر محوش :- مگر دل ہے ابھی تک زنا رپوش
بیان میں نکتہ توحید آتو سکتا ہے :- ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رفرنتوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے :- طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
حریف نکتہ توحید ہو سکا حکیم :- نگاہ چاہیئے اسرار لا الہ کے لئے
علامہ مدرسہ کی تعلیم سے جو فرنگی انداز میں ہوتی :- اور جو مذہب سے دور کرتی ہے، بیدار شاکی ہیں۔ فرماتے ہیں :-

گمہ تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا :- کہاں سے آئے صد لا الہ الا اللہ
پھر اس تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں اگر تیرے قلب کے آئینہ میں تیری فطرت میں اگر لا الہ ہے تو جوہر میں لا الہ تو کیا خوف :- تعلیم ہو گھر فرنگیانہ
علامہ نے ”رموز بے خودی“ اور مسافر میں لا الہ کی حقیقت کو اس طرح اُجگا کر کیل ہے۔

ملت بیضاتن و جاں لا الہ :- سارہ مادر پرچہ گردان لا الہ
از ضمیر کائنات آگاہ دوست :- تیغ لاموجود الا اللہ دوست
اب علامہ لا الہ الا اللہ کے مطالب کی گہرائیوں میں اور آتہ جاتے ہیں اور اس طرح سمجھاتے ہیں :- برسر این باطل حق پیہر ہیں :- تیغ لاموجود الاھو بنن

نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آسکھ کا لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
 نکتہ می گویم از مردانِ حال اُمتاں پر لا جلال الا جمال
 زیستن با سوزِ او قہارِی است لا الہ صرپ است و صرپ کارِی است
 یعنی اے لا الہ کے وارث! یہ دنیا جو در حقیقت باطل ہوتے ہوئے ظاہر ہونے کا
 دھوکہ دیتی ہے یعنی معدوم ہوتے ہوئے ظاہر کا فریب دیتی ہے تو اس باطل کے سر کو لا وجود
 الہ اللہ کی شمشیر سے اڑا دے تاکہ حق ہی حق رہ جائے۔ اے مردانِ حال! میں تیرے سامنے
 ایک نکتہ لا الہ الا اللہ کا بیان کرتا ہوں غور سے سن کہ لا کیفیتِ جلال پیدا کرتا ہے اور
 الہ کیفیتِ جلال سے ممکن کرتا ہے۔ جب انسان لا الہ کہتا ہے (نہیں ہے کوئی معبود) تو
 زندگی میں سوز اور فکرم پیدا ہو جاتی ہے۔ اور الہ کی تلاش میں مثلی ابراہیمؑ کا نکل پڑتا
 ہے۔ اور جب الا اللہ کہتا ہے تو یہ الا کیفیتِ جلال کے جلوے دکھاتا ہے۔
 علامہ مومن کی تعریف یوں فرماتے ہیں:-

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ سیاہ شمشیر میں اس کی پناہ لا الہ
 لا الہ سرمایہ اسرارِ ما رشتہ رشتِ شیرازہ افکارِ ما
 پھر قوم سے افسوسناک انداز سے یوں مخاطب ہیں:-
 اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے مجھ میں گفتارِ دلیرانہ کردارِ قہارانہ
 تری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہر تہہ جذبِ ملتِ دارانہ
 یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ
 آخر میں علامہ اقبالؒ جہاں میں رنگانہ دیکھتے رہے کارِ اس طرح بتلاتے ہیں۔

رہے کا تو ہی جہاں میں رنگانہ دیکھتا
 اتر گیا جو ترے دل میں لاشِ یک لدا

اس کے برخلاف صرف دکھانے ہی کو اللہ اللہ تو لپکار رہا ہے اور در حقیقت تری نگاہ
 میں ترے اعمال سے اللہ کا وجود ثابت نہیں ہو رہا ہے تو تیرا وجود تسلیم کرنے سے مجھے انکار
 تری نگاہ میں نہیں خدا کا وجود مری نگاہ میں ثابت نہیں وجودِ ترا
 دومیہری نگاہ سے علامہ کی مراد دنیا کی نگاہ ہے کہ دنیا کی نگاہ میں اس اندازِ مسلمان
 وجود رکھتے ہوئے عدم وجود کا شکار ہو کر ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اور اس وقت تک
 عدم وجود کا شکار رہے گا جب تک کہ اپنے عمل سے خدا کا وجود تسلیم نہ کر لے۔

علامہ اقبال کا دوسرا نسخہ شفا یم از امت کے لئے

علامہ اقبال اور فلسفہ محمد الرسول اللہ (وقار محمد)

وقار رسالت

مسلمان صرف لا الہ الا اللہ کہہ کر اہل ایمان کے ہم گروہ مسلمان نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ ساتھ ہی محمد رسول اللہ زبان سے کہہ کر دل سے ایمان لے آج کل جس طرح لا الہ الا اللہ بقول علامہ اقبال ایک مسئلہ علم کلام بنا کر رکھ دیا گیا ہے اسی طرح محمد الرسول اللہ بھی صرف ایک مسئلہ علم کلام بن کر رہ گیا ہے۔ مسلمان یہ بھول گیا ہے کہ محمد الرسول اللہ کہتے اور دل سے ماننے کا راز فلسفہ و فارح محمد بہ اندازہ عمل کر دکھانے میں ہی مضمر وہ پور شہید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی امت سے مخاطب ہو کر ”جب تک تم مجھے اپنے مال اولاد اور اپنی جان سے زیادہ چاہتے ہو تو مجھے تمہارا ایمان مکمل نہ ہو گا۔“ اس حقیقت کو بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جب اس حدیث پر عمل کر کے مسلمان کا ایمان مکمل ہو گیا تو اس کی منزل مر و پر وہیں ہی امیری ہو گئی۔ صحابہ اکرام اور جن جن نے اس حدیث پر عمل کیا مومن کامل بن کر دنیا کو اس بات کا ثبوت دے دیا کہ —

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث

پھر ایک دور آیا کہ عشق محمد کا حق ذریعہ مال اور عمل ادا کرنے کے بجائے لذت یقوان اور میلاد النبی کے موقع پر برقی روشنی کا سہارا لیا۔ اور زبان اور قلم کی تمام قوتوں کو عشق محمد کے اظہار کیلئے وقف کر دیا۔ عالموں نے ممبر یہ بیچ کر کھول دیں آنسو لا کر رقت آمیز آواز بن کر عشق محمد کی ضرورت پر اپنے اعمال سے نہیں بلکہ زبان سے بے حد زور دیا۔ شاعروں نے عشق محمد کو موضوع بنا کر رسول اللہ کی تقدیر ذات کو سراہا حسن بتلا کے زلفوں، سرنگین آنکھیں، قد و قال کی تشریف کر کے آپ کی کجبل اور چٹائی

کا ذکر کر کے سمجھا کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا اور عام مسلمانوں نے مسجدوں میں بعد نماز فجر جمعہ اور گھسروں میں بعد میلاد و رچی ندیا، اھلی ندیا، تلیبی ندیا جھوم جھوم کر گانے گائے اور درود کی محفلیں لگ کر پر غم خوش عشق رسول کا حق ادا کر کے کا دعویٰ کر دیا۔ باوجود اس کے دنیا کی فسطحوں میں ذلیل و خوار ہوتے رہے حکیم الامت علامہ اقبال نے جیسا امت کی نمونہ پر ہاتھ رکھا اور سر لیں کے مرض

کی تشخیص کی اور وہ اتجہ میری کہ عشق محمدؐ کے دعوے کی تکمیل کیلئے علیؑ و فاطمہؑ کی ضرورت لاحق ہے۔
اس لئے علامہ نے جواب شکوہ میں ”وفا محمدؐ“ کا نیا محاورہ اپنے تمام کلام میں وفا محمدؐ کا فلسفہ سیرا لکھنے کے سامنے بطور نسخہ شفا پیش کیا اور قطعی فتویٰ دے دیا کہ عشق محمدؐ کے دعوے لا حاصل ہیں جبکہ اس دعوے پر ”وفا محمدؐ“ کی ہر صداقت ثابت نہ کی جائے جو زبانی نہیں بلکہ ذریعہ عمل ہو۔

محبت تو ہمیشہ وفا کی دلیل چاہتی ہے۔ ————— محمدؐ سے وفا کی تعریف یہ ہوگی کہ احکام محمدیؐ کو عام اور سنت محمدیؐ کو ذریعہ عمل زندہ رکھا جائے اور اس سلسلہ میں جو تکالیف کا سا ہو تو اس کو خذہ پیشانی سے برداشت کیا جائے ورنہ عشق محمدؐ زبان سے بے حد آسان ہے مگر وفا جو عمل کی طالب ہے بحد مشکل ہے اس کے لئے تو بقول علامہ اسلاف کا قلب و جگر ڈھونڈ کر لانا ہو۔ علامہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وفا محمدؐ کے ایک واقعہ کا بانگ دریا میں یوں ذکر کرتے ہیں۔ —

ایک دن رسول پاکؐ نے اصحاب سے کہا: ”دین مالِ راہِ حق میں جو ہوں تم مالدار حضرت عمرؓ نے نصف مال اہل و عیال کیلئے رکھا اور نصف مال اللہ کی راہ میں نذر کر دیا۔ یہ رسالت میں لئے حاضر ہوئے۔ یہ عمل بھی بالکل ٹھیک تھا مگر بقول علامہ جع ایثار کی بے دست نگر اندازے کا۔ ————— اتنے میں رفیق نبوتؐ جس سے عشق و محبت کی نیا تھی استوار یعنی حدیق اکبرؐ بھی دربار رسالت میں حاضر ہو گئے اور —

لے آیا اپنے ساتھ وہ عمر و وفا سرشت: ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار ملک یمن و درہم و دینار درخت و جنس: اس پر قسم و شتر قاطر و حمار بولے حضورؐ چاہئے فکر عیال بھی: کہنے لگا و عشق و محبت کا راز دار پیر و ان کو چیراغ ہے بلبل کو پھول بس: صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہ تھا اسلاف کا قلب و جگر اور یہ ہے فلسفہ وفا محمدؐ کی تفسیر پھر علامہ فرماتے ہیں قلب اسلاف کے دیکھا ہو تو بلالؓ غلام حبش کو دیکھو کہ آزاد بھی کہہ اٹھے کہ اے غلام حبش تیری غلامی صدقے ہزار آزاد ہے حبش کا غلام بلالؓ۔ دنیا کے تمام ماضی و حال کے ذی اقدار استشاہ کیوں نہ آئے

کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیں: جس کی زندگی سیرا ”وفا محمدؐ“ کی تفسیر رہی۔ وفا محمدؐ کا ثبوت زبان سے نہیں بلکہ مصائب اٹھا اٹھا کر علیؑ انداز سے دیا اور ثابت کر دیا کہ — جفا و عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں: ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں جس کا میں ازل سے ہوسینہ بلالؓ: محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشاہ و فقیر

لیکن بلال رضی اللہ عنہ جیسی زراہہ حقیقہ : فطرت تھی جس کی نور نبوت سے منبہ
 ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گزار : صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخ پیر
 اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے : رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے
 بہر حال علامہ اقبالؒ کا سوا ایک کوئی فتویٰ ہی نہیں ہے کہ محمدؐ سے اگر قوم وفا کرے یعنی
 تعلیماتِ محمدی پر عمل کرے تو خدا اللہ تعالیٰ جاننا زید کر کے قوتیں قوم کے بازو میں آجائے گی۔ فاروق
 کا انصاف اور عدالت قوم کا شیوہ صدیقی کی صداقت قوم کا معیار بن جائے گا۔ رسول خدا صداقت
 کا شہر ہے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر کا دروازہ ہیں۔ رسول اللہ عدل و انصاف کا شہر ہیں اور فاروق
 اس شہر کا دروازہ ہیں۔ نبی آخر الزماں شرم و جاو غنا کا شہر ہیں اور عثمانؓ اس کا دروازہ
 ہیں۔ رسول برحق عظم کا شہر ہیں اور علیؓ مر کبھی اس علم کے شہر کا دروازہ اور رسول برحق
 بہادری، شجاعت اور تدبیر کا شہر ہیں اور سیف اللہ خالدؓ جاننا زید اس بہادری کے شہر کا
 دروازہ ہیں۔ یہ تمام دروازے اُمتِ محمدیؐ کے لئے کھل جائیں گے۔ مگر اس کے لئے محمدؐ سے وفا
 کی شرط اور ضرورت ہے۔ علامہ فرماتے ہیں اے قوم اگر تو نے محمدؐ سے وفا کی تو — ع
 لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔

علامہ کا قوم کو ایک ہی سبق ایک ہی پیام ہے کہ زبان کی محبت کافی نہیں، عملی طور پر
 وفا لازم ہے۔ محمدؐ سے وفا میں امتِ محمدیؐ سے محبت اور اس کی اصلاح کا جذبہ تعلیماتِ محمدیؐ
 کو عام کرنے کی کوشش اور قوم کے ہر فرد کا قلبِ اُمتِ محمدیؐ کی آبر و سے لبریز رہنا شامل ہے۔
 ”مضمون رسالت مآب“ کے عنوان کے تحت بانگِ درا میں علامہ نے گیارہ اشعار لکھے ہیں کہ جب وہ
 دنیا سے رخصت ہوئے تو فرشتوں نے انہیں دربارِ رسالت میں لے جا کر پیش کر دیا تو حضورؐ نے چھ
 لک کے باغِ جہاں سے بزرگ ہو آیا : ہمارے واسطے کیا تحفے لے کے تو آیا

تو اقبالؒ نے عرض کی حضور (صلعم)

مگر میں نذر کو اک انگینہ لایا ہوں : جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
 جھلکتی ہے تری اُمت کی آبر و اس میں : طربلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں
 علامہ کے پاس اُمت کی ہر بیماری کا علاج وفا محمدؐ ہی میں موجود ہے۔ اگر وفا محمدؐ علیؓ ہوگی
 تو احکام حق کی بے وفائی بھی قوم سے ہرگز نہ ہوگی اور ملک و خلافت کی ہوس احکامِ الہی کی خلاف
 نہ رہے گی اور قوم کا ہر فرد یکارے گا۔ —

اگر ملک یا ممالک سے جانا ہے جائے : تو احکام حق سے نہ کرے و فانی
 نہیں سمجھے تاریخ سے آگہی کیا؟ : خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
 تاریخ سے آگہی کے تعلق سے ”محاصرہ اور نہ“ کے عنوان سے بانگِ در میں یورپ
 اس جنگ کا تذکرہ آٹھ اشعار میں کرتے ہیں کہ یورپ میں حق و باطل کے سلسلے سے غلامانِ
 اہل باطل سے چھڑ گئی تو مسلمانوں کے پاس غذائی ذائقے ختم ہو گئے اور جب غلامانِ محمد
 ذمی کے مال و ثمرات پر صرف نظر ڈالی ہی تھی کہ فقیر شہر نے —
 لیکن فقیر شہر نے جس دم غصی یہ بات : گرما کے مثل صاعقہ طوفان ہو گیا
 ذمی کا مال لشکرِ مسلم یہ ہے حرام : فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 ادھر غلامانِ محمد کا بھوک سے بڑا حال تھا اور اس بھوک میں بھی جنگ جاری تھی مگر
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال نوح : مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا
 یہ ہے وفاقِ محمد کا فلسفہ اور وفاقِ محمد کا نمونہ اور اس کا حل کے کامیابیاں خود قدم
 آتی ہیں۔ غلام فرماتے ہیں کہ اس خاکِ انسان میں خدا نے عجیب لچک رکھی ہے کہ صرف عمل ہی
 اس کی زندگی بنی اور بگڑتی ہے۔ وہ نوری اور زماری مخلوق سے بالکل مختلف ہے۔
 عمل سے زندگی بنی ہے جنت بھی جہنم بھی : یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
 جس انسان کا معیارِ عمل یہ منحصر ہے تو ”وفاقِ محمد“ کا معیار بھی عمل ہی ہے یہ نہ کائنات نہ زمان
 قلبی فدا بروحی فدا یا رسول اللہ کہنے سے وفا ممکن ہے۔ محمد سے وفا کرنے والے مومن کی شہادت
 یہ ہوتی ہے —

کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا : نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیر
 محمد سے وفا کرنے والوں کے زورِ بازو کا یہ حال ہوتا ہے کہ —
 تو ہی کہے کہ اکھڑا درخیر کس نے ؟ (اشارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف)
 محمد سے وفا کرنے والوں کی نگاہ سے تقدیر میں بدل جانے کا جہاں تک سوال ہے تبار
 میں امر کی بھی گواہ ہے کہ فاروقِ اعظمؓ مدینہ منورہ میں ممبر یہ کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور
 ناہیں ہزاروں میل کے فاصلے پر یعنی مقام ”نہادند“ واقع ملکِ عجم میں دشمنانِ خدا سے جہاد
 ریحِ اسلامی نوح یہ ہیں۔ اسلامی لشکر شکست کھانے کو ہے۔ دورانِ خطبہ اس محمدؐ سے وفات
 کرنے والے غلام کی تین مرتبہ آواز بلند ہوتی ہے۔ ”ساریہ“ یعنی یہاں کی طرف جاؤ اور

یہاں کی طرف پیٹھ کر کے جنگ کرو۔ خطبہ سننے والے درمیان میں آپ کے ان الفاظ پر پریشان
ہیں۔ پند ہی دین میں سپہ سالار لشکر اسلام کا خطر فتح کی خوشخبری کا اس تفصیل کے ساتھ آتا ہے کہ اسلام
فوج میں شکست کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ ہم نے امیر المومنین کی آواز سنی جس میں ہدایت دی گئی کہ
یہاں کا سہارا لے کر جنگ کرو۔ ہم نے تعمیل حکم کیا اور ہماری شکست فتح میں بدل گئی۔ یہ تھی مرد
مومن کی نگاہ کی قوت جس نے ہزاروں میل کے فاصلے پر رہ کر تقدیر بدل دی۔ یہ نگاہ جو فاعل
اعظم نے پائی تھی، محمد سے وفا کا نتیجہ تھی۔ ربانی نہیں عملی وفا کا۔

علامہ فرماتے ہیں محمد سے وفا کرنے کیلئے نہ مستی احوال کی ضرورت ہے نہ مستی گفاری کی صوفی
کی طریقت میں فقط، مستی احوال اور ملا کی شریعت میں فقط مستی، گفاری رہ گئی ہے اور شاعر تو صرف
الفاظ کے زور پر خدا کو کہہ کر حق ادا کرنا چاہتا ہے محمد کی وفا کا حق ادا کرنے کے لئے صحابہ کی طرح
مستی کر دار کی ضرورت ہوتی ہے، فرماتے ہیں —

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو :۔ جو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کر دار
اس مرد کا بل مرد خدا مرد مجاہد جس کی رگ و پے میں مستی کر دار ہو اور مستی کر دار کے
ساتھ محمد سے وفا کا حق ادا کرے تو اللہ پاک فرماتے ہیں —

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں :۔ یہ جہاں خیر ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
جب لوح و قلم ہی محمد سے وفا کرنے والوں کے ہاتھ آجائیں تو تقدیر میں محمد کے غلام جب
پاہیں قوت بازو سے بدل ڈالیں یا اپنی نگاہ مومنانہ سے مگرہ شرط اولیں و آخریں اس کے لئے
ہے۔ ”وفا محمد“ ذریعہ زبان و قلم نہیں بلکہ ذریعہ عمل۔

اس کے بعد کی منزل مسلمان پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد اللہ
کے احکام کی پابندی اور وفا محمد کا ثبوت اللہ پاک کے اس حکم کی تعمیل کر کے دینی پڑتی ہے کہ
دہر میں اسم محمد سے آجا لا کر دے

بیمار امت کیلئے حکیم الامت علامہ اقبال کا تیسرا نسخہ تحریر

دہریں اسم محمد سے اُجالا کر دے

[ذیل میں تبصرہ رسولؐ]

اللہ پاک کا عموماً اپنے ہر بندے اور خصوصاً بندہ مومن سے ارشادِ عالی ہو رہا
”دہریں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے“

یونکہ ذاتِ محمدیؐ دراصل کائنات کا وہ پھول ہے کہ
ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو۔ چچن دہریں سینوں کا تبسم بھی نہ ہو

مگر جس بات کو سمجھنا ہے وہ یہ ہے کہ دہریں اسم محمدؐ سے اُجالا کرنے سے کیا مراد ہے؟
ساری دنیا میں اُجالا کیسے ممکن ہے؟ اسم محمدؐ سے دہریں اُجالا کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ
اس نادار الوجود پھول کی خوشبو سے آشنا کیا جائے۔ یعنی تعلیماتِ محمدیؐ کو عام کر
پوری توانائیاں صرف کر دی جائیں۔ ساقی توحید نے جو شراب توحیدِ قرآن اور شریعت
و جامِ نبویؐ بھر کر اپنی امت کو پلائی اور روحانی جسمانی اور دینی و دنیوی سر بلندیوں
ترقیوں کی پیروی کیلئے جو مستی کردار امت کو عطا فرمائی ہے تو اس لئے توحید کا لفظ
اس کی مستی کردار سے عالم کو آگاہ و باخبر کیا جائے۔ جہاں تک اس ساقیِ بزمِ توحید
ہے اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ صاف اور واضح ہے کہ :-

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو :- بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے :- نبضِ ہستی پیشِ آئندہ اسی نام سے ہے
پیشِ اندوہ ہے اس نام سے بارہ کی طرح :- غوطہ زنِ نور میں ہے آنکھ کے تارے کی
دہریں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے کا مطلب یہی ہو گا کہ مئے توحید کے ساقی

شرابِ توحید و مئے شریعتِ اسلام کے جام میں لبالب بھر کر اپنی پیاری امت کو عطا
اسی پیمانہ توحید و جامِ شریعت کو ہمیشہ دہریں کی تحفہ میں گرہنِ دل میں رکھا جائے۔ شریعت
پر عمل کرنے سے ملت کی سیرت و کردار میں کس طرح پختگی پیدا ہوتی ہے اس کو
اقبالؒ نے اپنی فارسی معرکتہ الآرا کتاب ”رموز بے خودی“ میں ”پختگی“ سیرتِ ملیہ اتقا
الہیہ است کے عنوان سے دو بند لکھے ہیں جو (۴۲) اشعار میں مشتمل ہیں جو نہ صرف

و بلاغت کے اعتبار سے وجود میں ایک مومن کو لاتے ہیں بلکہ معنوی اعتبار سے ایک روحانی و
حقیقت طاری کرتے اور عمل کی طرف راغب کرتے ہیں۔ ابتداء اس طرح فرماتے ہیں۔

در شریعت معنی دیگر محو : غیر ضرور یا طنی گوہر محو

ایں گہر را خود خدا گوہر گہر است : ظاہر شمس گوہر بطونش گوہر است
علامہ اقبال ان لوگوں کو جو شریعت محمدی کے بارے میں غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ شریعت
محمدی کا ظاہری پہلو اور ہے اور باطنی پہلو اور ہے۔ باخبر کہ رہے ہیں کہ شریعت محمدی
جس کو دہریہ میں عام کرنا ہے۔ اے مسلمان! شریعت آقا نامدار صلعم کے ظاہری و باطنی معنی
ایک ہی ہیں تو دوسرے باطنی معنوں کی تلاش میں نہ خود گمراہ ہو اور نہ ملت کو گمراہ کر۔ اس بات کو
سمجھانے علامہ گوہر کی مثال دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کیا گوہر کا ظاہر اور باطن الگ ہو سکتا ہے اور
کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ گوہر کے ظاہر پریت جائز بلکہ باطن پر نظر رکھو۔ جب ہر ایک جانتا اور
تسلیم کرتا ہے کہ گوہر کا ظاہر و باطن ایک ہی ہے تو کس طرح شریعت محمدی کا گوہر جس کو خدا نے
بنایا ہے اور مصطفیٰ ﷺ نے لایا ہے اس کے ظاہری اور باطنی معنی الگ ہو سکتے اور دوسری دیگر
اس کے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ یہ خوبصورت مثال دے کر علامہ شریعت کے سلسلے میں حقیقت
کے ذہن سے اختلافات اور غلط فہمی کو دور فرما کر یہ سبق دے رہے ہیں کہ شریعت محمدی
پر عمل بغیر اعتراض کرو چو نہ کہ۔

علم حق غیر از شریعت یا معنی نیست : اصل سنت جہت محبت یا معنی نیست
یعنی اللہ تعالیٰ کا علم شریعت ہی سے مراد ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں اور سنت محمدی
پر وہی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے جو ذات رسالت مآب سے حقیقی محبت رکھتا ہے۔ گویا
سنت محمدی پر عمل کرنا اور اس کو عام کرنا صرف عاشقان رسولؐ کا عمل کا کام ہے جو زبان
سے نہیں بلکہ عملاً محمدؐ کی ذات اور صفات سے محبت رکھتے اور اس پر خود بھی عمل کرتے اور
دوسرے کو نور صفات محمدی سے روشنی کر کے دہریہ میں اسم محمدؐ سے آجا لاکر دے کے حکم کی تعمیل
کرتے ہیں شریعت محمدی سے گریز نہ کر علامہ دینی و دنیوی ترقیوں سے دور ہو جانا اور
قلبی روحانی اور دینی افلاس اور تباہیوں سے ہمکنار ہونا قرار دیتے ہیں اور شریعت کی
پابندی کے لئے کامل یقین اور عمل آہن کو اہل بس ضروری قرار دیتے ہیں۔

شریعت محمدی کو علامہ ایک ایسی شمع سے تعبیر کرتے ہیں جو اپنی روشنی سے راہ

بتلائی ہے۔ اس شریعت محمدی کی روشنی میں جو راستہ نظر آتا ہے تو اس راستے کو طریقت اور اسی راہ طریقت کی آخری منزل حقیقت ہے۔ علامہ ان لوگوں کے فتنے سے اُمت محمدی کو کہتے ہیں۔ شریعت و حقیقت و طریقت کے نام پر خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ علامہ کا فتویٰ ہے کہ شریعت ہی سب کچھ ہے۔ اسی کو دنیا یا دین کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کا ظاہر اور باطن بالکل ایک ہے۔ اس عمل سے دین محمدی سے اُجالا لایا جاسکتا ہے۔

یہ علامہ ”حسن سیرت علیہ السلام“ یعنی حسن سیرت کا مختصر تذکرہ محمدی کی پیروی میں ہے کہ عنوان سے رموز نے خودی میں تین بند لکھے ہیں جو (۴۳) اشعار ہیں۔ اس کے قبل عنوان پر علامہ نے شریعت محمدی کی پابندی پر بحث کی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ شریعت محمدی کی پابندی کردار کو بخیر بنادیتی ہے۔ اب موجودہ عنوان پر علامہ فرماتے ہیں کہ شریعت محمدی کی پابندی کردار کو برکت بنا سکتی ہے لیکن ایک بندہ مومن میں جو کتنی چاہیے وہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سیرت کو اپنانے کے بعد ہی ممکن ہے۔ مقبولیت اور نورانیت ہونے کی خواہش ہو تو یہ نصیب سنت محمدی کو اپنانے تکمیل کو نہ پہنچے گی اور نہ حیات جاوید ملے گی۔ سنت محمدی کے سینکڑوں اعلیٰ نمونوں میں سے ایک اعلیٰ نمونہ صدیقوں کے گزر جانے دنیا کے بیش نظر ایک ناقابلِ فراموش یاد کی صورت میں موجود اور ہر ایک کی زبان پر ہے۔ سلام اس پر کہ جس نے کمالیاں سن کر دعائیں دیں

یہ ہوتا ہے سنت محمدی پر عمل کرنے کا مقام کہ ایک وقت آتا ہے کہ دنیا تو بخود بخود قدم چوم لے کر ہو جاتی ہے۔ سیرت محمدیہ کو اپنانے والا بھی کسی پر ظلم روا نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ظلم کی ممانعت کر سکتا ظالم کے ہاتھ پکڑتا ہے۔ کسی پر ظلم کا ڈنڈا نہیں بجا سکتا۔ ان تین بند اور (۴۳) اشعار میں علامہ ابو نے ابتدائی بند میں خود اپنی زندگی کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ایک فقیر قضا بن کر ان کے گھر کے در پر بھیک لینے صدایہ صدا دینے لگا۔ یہ اقبال کے عنقوئی شباب کا وہ دور تھا جب خونِ جسم پوری حالت سے دوڑ رہا تھا۔ اقبال نے تنگ اگر فقیر کے سر پر ایک ڈنڈا مارا۔ بسی غضب اقبال کے والد مثل بید کا اپنے لگے۔ اور آنکھوں سے گدگد جھارے خارا دیں۔ پیر سے بہتی ہوئی لڑنے کو نہ کرنے لگی اور اپنے بندے سے کہا۔ ”روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت علماء و فقاہ و شہداء ملت اور اپنے عاشقوں کے درمیان تشریف فرما ہونگے اور نیک و بد کا آپ کے اطراف“

ہو گا اور یہ فقیر رسالت مآب سے تمہاری اس حرکت و ظلم کی شکایت کرے گا اور حضور ﷺ گنہگار سے مخاطب ہو کر دریافت فرمائیں گے کہ میں نے تم سے ذمہ ایک نوجوان کو کیا تھا کیا تو نے میری شریعت کے مطابق اس کی تربیت کی تو اس وقت میرا کیا جواب ہو گا؟ میری زمناوی سب کے سامنے ہو گی۔ اے میرے پیسرا! روزِ قیامت آقا کے نامدار کے سامنے مجھ کو سزا نہ کرنا اپنے والدِ محترم کی یہ رقت و نصحت سے اقبال کا قالبِ موم کی طرح نرم ہو گیا۔ اور یقین ہو گیا کہ صحیح راہ اختیار کرنے سے شریعت محمدی کے ذریعہ عمل کو دلکش بنانے کی اور سنت محمدی کو پانانے کی راہ دکھانے کی اسی راہ پر عمل کر کے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی جاسکتی ہے۔

ع دہرین اسکم محمدؐ سے اجبالا کر دے

اب علامہ آگے سمجھاتے ہیں کہ تم کہتے ہی اچھے شریعت کے موافق عمل کرو حتیٰ کہ تمہارے اعمالِ نسیان کی اس بارش سے بغیر کیا جائے کہ جس کا ہر قطرہ موتی بنی تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو بھی کیا فائدہ؟ یہ یاد رہے کہ بارشِ نسیان کا وہی قطرہ موتی بنتا ہے جو صدف کی آغوشِ یمن پر ورش پاتا ہے۔ اگر بجائے صدف کی آغوش کے وہ قطرہ کسی مقام پر گرے تو نہ موتی بنتا ہے نہ مقامِ اعلیٰ بچشت نگہ پاتا ہے۔ اس لحاظ سے تمہارے اعمال اگر سنت محمدی کے سانچہ میں ڈھل جائیں یعنی سنت کی صدفِ یمن پر ورش پائیں تو بلاشبہ وہ گوہرِ نایاب بن جائیں گے ورنہ، ایک۔ بہا پانی جس کو زمین چوس لے گی اور کل اس کا نشان نہ رہے گا۔ جاوید نامہ یمن اقبال ان خیالات کو دوسری طرح یوں اور صاف واضح فرماتے ہیں کہ۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و لہو : آنکہ از خاکش بر ویا آید و

یا نہ نورِ مصطفیٰؐ اور ابیاست : یا ہونہ اندر تلاشِ مصطفیٰؐ

علامہ آداب محمدی اور سنت محمدی یمنِ غوطہ زن ہو جانے کو شیوہ زندگی بنالینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور حضور صلعم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

عبدہ از فہم تو بالا است : ز انکہ آدم ہم آدم و جوہر است

علامہ اقبالؒ ان نکتہ کو اجاگر کر رہے ہیں کہ رسالت مآب کی زندگی کے دو پہلو یا حیاتِ محمدی کی دو شاخیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ آدم ہیں دوسرے یہ کہ آپ جوہرِ آدم ہیں اس لحاظ سے آپ فہم سے بالاتر ہیں جہاں تک آدمیت کا تعلق ہے مگر فہم نہیں اگر مہمان یہ چاہتا ہے کہ

درجہ ان روشن تر از نور خورشید شو :: صاحب تابانی جاوید شو !

یعنی مسلمان دنیا میں خورشید سے نہ زیادہ روشن رہنا چاہئے اور ہمیشہ کی تابانی حاصل کر
 تنہائی ہو تو اس مرکز سے مسلمان کو ہرگز نہ گزر دوں نہیں ہونا چاہئے۔ سیرت محمدی اور سنت
 پر عمل کر کے ایک مکمل نمونہ حیات اس لئے بھی ہے کہ جب ہم آئیں گے ان مہجدا کعب
 رسول اللہ کہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بحیثیت آپ کی ذات صرف عبادات ہی سے مبرا
 جہاں یہ ذات کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کہتی اور اس پر عمل پیرائی کرتی اور
 نظر آتی ہے۔ جہاں یہ مقدس ذات گھر اور مسجد نبوی میں نمائندہ پڑھنے اور پڑھانے کے طریقے
 نظر آتی ہے۔ جہاں یہ ذات قرآن پڑھتے اور سنتا نظر آتی ہے۔ وہیں ذریعہ عمل قرآن
 اور قرآن مجسم کے روپ میں بھی نظر آتی ہے۔ اور وہیں مواقع کردار کی حفاظت ذریعہ قرآن
 اپنے عمل سے کرنا بھی سکھاتا ہے جہاں یہ ذات رسالت روزہ رکھتی ہے اور رکھنے کا طریقہ
 زیورۃ دین کے مسائل سمجھاتی اور ان پر عمل کرنا سکھاتی ہے اور جہاں یہ پاک ہستی حج کے فرائض
 انجام دینے کے طریقے بتلاتی اور سمجھاتی اور ان پر عمل کرنا سکھاتی ہے وہیں یہ ذات پاک میں
 عمل میں دیوبندی حقیقت سے احکام الہی کی روشنی میں سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ کہیں بازار میں خرید
 سرتی اور خرید و فروخت کے اندازہ سکھاتا ہے۔ تو کہیں مصروف تجارت دیکھ کر اصول و قواعد
 تجارت سمجھانے میں مصروف نظر آتی ہے کہیں یہ ذات رسالت کشتی کے میدان میں بحالت
 یہودی ان کے جیلنگ پر اس سے کشتی لڑ کے اس کو چیت کر کے اس کو مشرف بہ اسلام کرتی نظر
 کہیں یہ ذات مقدس ڈور میں حصہ لیتی دیکھی جا رہی ہے تو کہیں حفاظت اسلام اور حفاظت
 ختمی کے لئے میدان جنگ میں مصروف جہاد ہے اور فولادی ذرہ پر زردہ پہنی ہوئی تلوار ہاتھ
 اور تیر چلاتی اور تیر چلانے سعد بن ابی وقاص کو دیتی نظر آتی ہے۔ کہیں دالین اولاد
 بہادران رشتہ داروں ہمسایوں کے حقوق کی تعلیم حمد سے مگر نہ غیبت سے پرہیز
 اور پھائی چار گئی سکھائی اور کھائی جا رہی ہے کہیں علم حاصل کرنے حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ
 کر دیا جا رہے ہیں جیسے دور دراز ملک کو جانا۔ کیوں نہ پڑے۔ کہیں حکومت کرنے کے
 لئے اور سکھائے جا رہے ہیں۔ الغرض حیات طیبہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ یہ پاک سیرت
 محمدی نہ ہیریا و نہ ہماں کرتی نظر نہ آئی ہو۔ خصوصاً یہ کہ وہ رسول نہ ہمارے عبادات پر
 دی العبادات حسنہ و نبویا بھی ہے اور وہ ذات آندس بقول اقبال وہ ذات عالی ہے کہ ذیل

تعلیم علی _____ جس نے بنایا مومن کو مدد و پروین کا امیر
 جس حکیم الامت علامہ اقبالؒ مندرجہ بالا بیان کردہ حالات کے پیش نظر امت کو آواز دے
 رہے ہیں کہ سیرت محمدیؐ کا غونہ بن کر عشقِ نبویؐ کا عملی ثبوت اس انداز سے دے کہ
 قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے۔ دہرین اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے
 علامہ اقبالؒ قوم کے نوال کو ترقی میں بدل دینے اور ہمارے مسلمان قوم کو صحتِ یاب ہو کر ترقی دینی و دنیوی
 کے آسمانوں پر پرواز کر کے دنیا کو ماضی کی طرح حیران کر دینے کا بہترین راستہ شریعت اور سنت محمدیؐ
 کی پابندی بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد مسلمان قوم کی یہ حالت ہو جائے گی کہ دنیا پکارے گا کہ واقعی
 عالم ہے فقط مومن جاننا نہ کی میراث
 جب ہم پانچ وقت کی نماز میں التحيات میں اس بات کی گواہی یہ کہہ کر دیتے ہیں۔
 اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ یعنی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندہ
 اور خیر رسول ہیں تو اللہ کے ہر ایک بندہ کے لئے آپ کی پیروی ناممکن نہیں بن جاتی آپ کی سنت سے
 وفاء کر کے ہر مسلمان اللہ کے اس فرمان کی تعمیل کر سکتا ہے کہ
 دہرین اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

ایک ضروری اطلاع

علامہ اقبالؒ کی نظر میں معہ نسخہ اشفاق ہمایہ قوم کیلئے بخونیز کردہ علامہ اقبالؒ
 ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء عینی ایک ہزار شاخ ہو کر اس قدر مقبول ہوئی کہ دو ماہ میں بازار میں
 کمیاب ہو گئی پھر ۱۸ جنوری ۱۹۸۷ء دوبارہ معہ اضافہ مضامین معہ جلد دوم
 فلسفہ لا الہ الا اللہ و نماز و رمضان و عید الفطر و عید الفطر و عید الفطر و عید الفطر
 شائع ہو کر دو ماہ میں پھر بازار میں کمیاب ہو گئی اب پھر مزید اضافہ مضامین کے
 ساتھ ہر دو کتابیں قارئین کی خدمت میں۔ علاوہ ان میں علامہ کی تفسیر قل ھو اللہ واحد
 لہر مارچ ۱۹۸۷ء کو زیر طبع سے آراستہ ہوئی جس میں نوال پندرہ قوم کے لئے
 ترقی کے راتہ بتلائے گئے ہیں۔ جو بقدر حیدر باقی ہیں وہ طلب فرمائے جاسکتے ہیں۔
 سنگدل و انصاف عنقریب آپ کے انشاء اللہ زیر مطالعہ رہیں گے۔

علامہ اقبال اور فلسفہ و حقیقت اذال

زمانہ ایک بہتادریا ہے جو امر و فراد کی داریوں سے بہتا بہنوں اور سالوں کے میدان سے گذرتا ہوا اھالیوں کے سمندر میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ زمانے نے کئی کروڑوں اور تاریخ کے اوراق سامنے آکر خود گویا ہوتے ہیں کہ یہ زمانہ جو دور سے ادوار میں ہے کبھی اس کا کوئی دور اُجالے میں نہ رہا تو کئی ادوار تاریکی میں ڈوبے رہے۔ خیر و میں کشمکش ہوتی رہی، کبھی تاریکی پر اجالا اور کبھی اُجالے پر تاریکی پھر تاریکی پر اجالا آتا رہا۔ یہاں تک کہ نور اولین دورِ آخر میں خاتم النبیین بن کر اور نام محمدؐ پاکر نمود ہوا۔ اس نور محمدؐ نے آخر دنیا کی تاریکی کو دور فرمایا اور امت کو سبق پر بھلایا کہ بھی تاریکی نمودار ہو چاہے وہ شب کا اندھیرا ہو کہ کفر کی تاریکی سحر و اجالا کرنے کے نور حق کا اجالا پھیلانے کیلئے کفر کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے اللہ کی طرف اللہ کی عبادت اللہ کی طرف بلائے اپنی صبح کا آغاز کر دو بس ان ہی حقیقت انگیزہ فہم نے اذال نام پایا اور اس سے تاریکی کا وجود لرز کر رہ گیا حسب الحکم شب و روز پانچ مرتبہ شبستان وجود کو لرزانے کا سبب قیامت تک یہ فہم بے ہمتہ رہنے لگا بقول علامہ اقبال :-

یہ سحر جو کبھی فسردا ہے کبھی ہے امر و
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذال سے پیدا

پھر فرماتے ہیں اذال بھی کونسی اذال؟ اسلاف کی وہ اذال؟ —
دیا تھا جس تپے پہاڑوں کو رہیشہ سیما
پھر فرماتے ہیں اے مسلمانو! وہ اذال جس سے لرزتا تھا شبستان وجود اور جس سے
دیا تھا پہاڑوں کو رہیشہ سیما اسکو تم نے ایک رسم بنا کر اب کہنے پر مجبور کر دیا کہ

رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی
دیکھئے کہ اذان تو وہی ہے جو حضرت بلال دیا کرتے تھے اور آج ہم دے رہے ہیں
علامہ فرماتے ہیں :-

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن : مِلّا کی اذان اور عباد کی اذان اور
پرداز ہے دونوں کی ایک فضا میں : سرگرس کا جہاں اور شاہین جہاں

بھرفرماتے ہیں :- مع - ہے میری بانگ اذان میں نہ بلند ہی نہ شکوہ

کفر کا درد دورہ ہے سلم اپنے انداز سے گمراہ اور کافر اپنے انداز سے گمراہ ہے - ایسے
وقت خاموشی کا موقع نہیں وحدانیت پھیلانے نور حق کو اجاگر کرنے

اگرچہ بستی بن جماعت کی آستینوں میں :- مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ
خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ :- خودی ہے تیغ افساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہِ رسم کی تلاش میں ہے :- صنم کہہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے تمنا غسروں کا سودا :- قریب سود زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند :- تبانِ صرم و گماں لا الہ الا اللہ
خضر ہوئی ہے زماں و مکاں کی زبانی :- نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ نعمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبان :- بیمار کو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بستی میں جماعت کی آستینوں میں :- مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

بندہ مومن کہے لا الہ الا اللہ کی حقیقت اور لطف کا آغوش اور اللہ کی بندگی کا
اقرار نبوت کا اعتراف نیکی کی طرف عالم کو دعوت کی ابتدا اذان سے ہوتی ہے اور مومن کی
مہرابِ نماز پر ہوتی ہے جبکہ بندہ سجدہ میں ہوتا ہے - پھر بندہ مومن کی
یہ حالت ہو جاتی ہے کہ -

شوقِ میری لے میں ہے، شوقِ مہری لے میں ہے
نغمہ اللہ لکھو میرے رگ و پیہ میں ہے

علامہ اقبال اور فلسفہ نماز نماز بیکار اور روزہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ (نماز بخش ہے جو وہ باتوں کا منع کرتا ہے جو خدا کے منع کئے ہوئے امور (مذکرات) ہیں) علامہ اقبال کی عمیق فطرت میں جب مسلمان پر پڑتی ہیں اور انہیں قوم میں ادائیگی کے بارے میں متنازعہ قرار کا فقدان نظر آتا ہے تو علامہ فرماتے ہیں۔ ہائے قوم یہ کیسی ہے کہ :-

قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متنازعہ کردار : نہ کہیں لذت کے کردار نہ انکارِ عقیق
 قوم میں وہ ہم تو بہتات، حسد، جھوٹ، مکر و فریب، دھوکہ، وعدہ خلافی، رشوت
 کسبِ حلال سے گریز، سود، غیبت، حتیٰ کہ شرابی صلیٰ علیہ وسلم جو دین اور نماز کی ادائیگی
 میں مصروف نظر آتی ہے۔ ان سب کی بنیاد علامہ حضرت خلیل اللہ کے سے ایمان کی محرومی
 اور تہذیبِ حاضرہ کی غلامی اور اللہ کے ذات سے یقین کا فقدان بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 سن اے تہذیبِ حاضرہ کے گرفتار : غلامی سے بہتر ہے بلکہ یقین
 یقین مثل خلیل آتش نشینی : یقین اللہ مستی خود گری

علامہ اقبال کی نظر میں مسلمانوں پر پڑتی ہیں اور انہیں قوم میں ادائیگی کے بارے میں
 برائیاں نظر آتی ہیں۔ تو علامہ ان نمازوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ (۱) مردِ مومن اور
 حر کی نمازیں، (۲) غلامی یعنی غلاموں کی نمازیں۔ (۳) ریاکاری کی نمازیں جو
 ہوس عقل و عیار اور نمائش کے ستونوں پر کھڑی ہو، علامہ فرماتے ہیں نماز
 تو مردِ مومن کی ہوتی ہیں۔ نہ کہ مردِ غلام کی یا مردِ ریاکار کی، نماز واقعی مردِ آزاد
 مومن یا کبریا کی ہے جن کے قلوب زندہ ہوتے ہیں جو غلامی سے آزاد ہوتے ہیں جن

در حقیقت اللہ پاک کی وحدانیت کا یقین محکم ہوتا ہے جو بہت پندار کو خدا نہیں بنا لیے علامہ
 فرماتے ہیں اللہ۔۔۔ ہے تیری شان کے شایان اس مومن کی نمائندگی کی گئی ہے جو مکر اور دہن
 اس دہرہ کے مسلمانوں کا مقابلہ دہرہ ماضی سے کر کے فرماتے ہوئے ہائے

ہے میرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی ہے۔ لا الہ مردہ و افسردہ بے ذوق نمود !
اب کہاں میرے نفس میں و حرارت و گلہ نہ بے تپ و تاب دروں میری صلاۃ اور قنود
ہے میری بنگاہ اداں میں نہ بلندہ نہ سکودہ : کیا گوارا ہے مجھے ایسے مسلمان کا سجود ؟

علامہ اقبال کا یقین ہے چاہے دین ہو کہ فلسفہ فقر ہو کہ سلطانی جس کی تعمیر خستہ عقائد کی بنیاد پر ہی نہ
ہو اور جس قوم کا عمل بے سوز زار و زبوں اور ضعیف مردہ ہو جائے تو ان کی زندگیاں ہی کیا اور
ان کی نمازیں ہی کیا — ؟

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو : ہوتے ہیں خستہ عقائد کی بنیاد پر تعمیر
حیف اس قوم کا ہے سوزِ عمل زار و زبوں : ہو گیا خستہ عقائد سے ہی جس کا تقسیم
بطار مسلمان حافظِ قرآن ہے۔ نمازوں میں بڑے بڑے سوز سے پڑھتا
تیرا و تجھ میں قرآن پر قرآن ختم کر دیتا ہے مگر وہ درحقیقت قرآن سے کسی قدر دور ہے
اس کا عمل قرآنی ہے نہ کردار قرآن سے مطابقت رکھتا ہے تو علامہ فرماتے ہیں پھر مسلمان میں
جدت کردار کہاں سے آئے۔ علامہ اولاً سمجھاتے پھر دعا فرماتے ہیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان : اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک : اس دور میں شائد وہ حقیقت ہو نمودار
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن : قاری نظر آتے حقیقت میں ہے قرآن
اگر ایسا نہیں ہے تو علامہ فرماتے ہیں :۔

دل ہے مسلمان میرا نہ تیرا : تو بھی نمازی میں بھی نمازی
آخر اس سے فائدہ : ؟ اگر تو ایسی نمازیں پڑھ جو نہ وحدانیت کا تصور ہی ذہن و قلب میں
پیدا کرے نہ اسلامی زندگی کے آثار بلکہ مسکین و محکوم اور داعیِ ناسمیدی کا تو شکار بن کر
ذاتِ الہی پر ایمان سے محروم رہے تو تجھ اسلام محمدی کا نام بھی لینے کا حق نہیں۔ تو نے اپنا ملک
یہ بھی نبالیا ہے تو علامہ فرماتے ہیں : ؟ کیوں اسلام محمدی کو بدنام کرتا ہے ؟ تو ایک نیا اسلام
کیوں ایجاد نہیں کر لیا ہے ؟

مسکین و محکوم و نومیذی جساد : جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کو رعباد
علامہ فرماتے ہیں اے مسلمان کا دعویٰ کرنے والو ! ظاہری نمازوں کا دکھاوا اور مراقبوں میں

کھوجا نہ والو! بطاہر ذکر الہائین مصروف نظر نہ والو! پھر ذکر نیم شبی کے دعویدارو! طرح سن لو! —

یہ حکمت ملکوتی، یہ علم لائوتی: حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبہ یہ سرور: تری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں
خیر دے کہہ بھی دیا لا لا تو کیا حاصل: دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبال اللہ کی جانب سے ہندی مسلمان سے مخاطب ہیں۔ رع

وہی سجدہ ہے لائق استہام: کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال: تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کیا
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی: وہ نمازیں ہندوئی نذر برہمن ہو گئیں
غلاموں کی غمانہ اور مردانِ حشر کی نمازوں میں علامہ اقبال بہت فرق بتلاتے ہیں۔ غلاموں
کے سجدے طویل مگر زندگی کے عمل سے محروم اور سوز سے خالی ہوتے ہیں۔ اور غلاموں کے ہاتھ طو
دعاؤں کے لئے ہمیشہ اٹھتے رہتے ہیں مگر قلبِ سوزِ یقین سے خالی رہتا ہے۔ مردانِ حشر کی نما
ز ختم دعاؤں، ختم مگر باشر اور سوز لی ہوئی ہوتی ہیں۔ مردانِ حشر کے دراصل یہ وہ سجدے
ہوتے ہیں جن میں ملت کا زندگی کا بیسہا ہو گیا ہے۔ چونکہ مردانِ حشر کو ملت کے ہزاروں اور
مذہب کی بقا کے بے شمار کام انجام دینے ہوتے ہیں۔ علامہ ان حیالات کا یوں اظہار فرما
ہیں یہ

کہا مجاہد تر کرنے تجھ سے بعد نماز: طویل سجدہ میں کیوں اس قدر تمہارے امام
وہ سادہ مرد مجاہد وہ مومن آزاد: خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حشر کو دنیا میں: انہیں کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام
بدنِ غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم: کہ ہے مردِ غلاموں کے روز و شب پر حرام
طویل سجدہ اگر نہیں تو کیا تعجب ہے: وراے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
خدا نصیب کمرے ہند کے اماموں کو: وہ سجدہ جن میں ہے ملت کا زندگی کا بیسہا

علامہ ایسی غلامی کا غمانہ اور غلامِ امام کے بارے میں فرماتے ہیں:۔


یترا امام بے حضور تری نماز بے سرور: ایسی نماز سے گزرا، ایسے امام سے گذر
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے: اس کو کیا جانے مجاہد سے یہ دور کون سے کلام

تاریخ شاہد ہے کہ رسول مقبول صلعم و صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں مختصر اور سوز لی ہوئی اور
سجدے دن کے مختصر مگر وہ سجدے ہوتے تھے کہ :-

وہ سجدے روئے زمین جس سے کانپ جاتی تھی :- اسی کو آج ترستے ہیں ٹبر و محراب

جماعت کی نماز میں جب کسی بچے کی رونے کی آواز آتی تھی تو رسول اللہ کے ماں کے خیال سے نماز مختصر
کر دیتے تھے مگر ان ختم المقام ہستیوں کی رات کی نماز میں طویل سجدے طوالت کو اس قدر ایسا ہوئے
تھے کہ ایک رات تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ کے طویل سجدے نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ کہیں
آپ کا وصال نہ ہو گیا ہو، آپ رضی اللہ عنہ کو اتنا مددہ صلعم کی پاؤں کو ہاتھ لگا کر آپ کے حیات کی تصدیق کرنی پڑی
آج ہماری دن کی نمازیں و دعا کیوں دکھاوے کی طویل مگر بے سوز اور راتوں کو ہم نرم نرم گدوں پر
ہوتے ہیں، اپنے دل میں دنیا کے ضم بے گئے جیتے ہیں۔ ضم دل میں بے گئے سوتے ہیں، ضم دل میں بے گئے
مصرف نماز ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں اگر ایسی ہی نماز ادا کی جائے تو حاصل کچھ نہ ہوگا البتہ زمین ضرور پکارے گی۔
میں جو سر بہ سجدہ ہوا کچھ تو زمین کرنے لگی رہدا :- ترا دل تو ہے ضم آشنا تجھ کیا ملے گا نماز میں۔
پھر فرماتے ہیں لات و منات اور دیوتاؤں کو اپنے دل سے نکال پھینکا بڑا کمال ہے جو ہر زمانہ
بھیس بدل کر ایک نئے انداز سے ترے قلب میں جگہ پاتے رہتے ہیں۔ اگر ان سے ٹھکرا لیا کر خلائے
موجود کے سامنے سر جھکانا تو نے سیکھ لیا تو ہزاروں مصنوعی معبودوں کے سامنے سر جھکانے
سے محفوظ ہو جائے گا اور تیری نماز بھی نماز ہو جائے گی۔

بدل کر بھیس پھرتے ہیں ہر نہ ملنے میں :- اگر چہ پیر ہے آدم جواں میں لات و منات
یہ کیا بھید و جسے تو گراں سمجھتا ہے :- ہزارہ سجدے سے دستا ہے آدمی کو نجات
اگر ایسا نہیں کیا بلکہ لات و منات کو دل میں لبا کر ہی نماز پڑھا رہا تو تجھ سے زمین برابر
پوچھتی رہے گی۔  تیرا دل تو ہے ضم آشنا تجھ کیا ملے گا نماز میں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی نماز تھی کہ ایک تیریاؤں میں بالنگا جہاد میں تو نکالنے کا موقع نہ تھا بعد میں
پامبارک مقام پر ہو گیا ہاتھ لگانے دیتے تھے نہ کسی کو تیز نکالنے۔ صحابہ نے رسول مقبول کے حضور
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تکلف کا حال بیان کیا ارشاد ہوا علی رضی اللہ عنہ سجدہ میں ہوں نکال لو۔ جب
حضرت علی رضی اللہ عنہ سیر بجاات نماز تھے تیز نکال لیا گیا تو نہ نکالا گیا دوا لگا دی گئی بعد از رفت
نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پاؤں بہت ہلکا محسوس فرمائے پوچھا یہ اس قدر ہلکا کیسے ہو گیا ؟

علامہ ایسے سرور اور حضوری قلب خدا کو دیکھنے والی چشم دل بینا کایوں نہ کر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ — حضوری قلب نماز کو نماز بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جب ہی تو صاحب سرور ہوگا۔ اور دل کی آنکھ وا ہوگی۔ اس کے لئے تو خدا سے طالب دعا بھی ہو، خدا کو حاضر جانے کا تصور تجھ میں پیدا ہی نہ ہو تو یہ تیری زندگی نہیں بلکہ موت ہے یہی وجوہات ہیں کہ اس زمانے میں صاحب سرور کا نظر آنا دشوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں —

بے حضوری ہے تیری موت کا زمانہ :۔ زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب :۔ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں :۔ ایک بھی صاحب سرور نہیں

علامہ صاف طور پر فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ تیری نماز اسی وقت نماز ہوگی جبکہ رع
اُتر گیا جو تیرے دل میں لاشیں لٹک رہی ہیں
علامہ غنائوں سے پھر لوں مخاطب ہیں۔ تم اگر بغیر لا الہ کو اپنے سینوں اور دلوں
میں بسائے نماز پڑھ کر سرور محسوس کر رہے ہو تو سنو :۔

اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تیری :۔ تیرے بدن میں اگر سوز لا الہ نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کی حاصل :۔ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
علامہ اقبال کا یہ فتویٰ اخیر ہے کہ دل و نگاہ کو مسلمان بنادے تو عبادت نماز ہوگی اور اگر نہ —
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ورنہ تیری عبادت وہ عبادت ہوگی جو ہر سال آٹھ سو سال کے ساتھ جلی سرخیوں سے اخبارات
میں یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ چیف منسٹر آندھرا پراکش نے راماناؤ نے ماہ رمضان میں روزہ
داروں کو دعوتِ افطار دے کر بعد افطار مسلمانوں کے ساتھ امام کے بالکل پیچھے کھڑے ہو کر
روزہ فرمائیں مسٹر بھاسکر راؤ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور بہ حیثیت ایکٹریکٹ کے انڈر
سے تو نماز ادا کی مگر جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ رع

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
مارے خوف کے چیف منسٹر این ٹی اے کو ساتھ لیکر نماز پڑھائی علاحدہ جاویدہ زائرین فرماتے
ہیں :۔ تو میں دیش کشاں لبتن لٹاق :۔ مومن و غداہی و فقر و نفاق

ایسے آپ کو مومن ظاہر کرنے کے ذریعہ اقتدار مندوں کے سامنے نمائندگی ہو کر ایمانہ عاجزی دکھانا مومن کے لئے ایمان کی ایک تقاضا ہے اور فقہر کا مذاق ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ مسلمانوں کو ہر نوع انسان سے تعلقات رکھنے کے حدود سے آگاہ کرتا ہے جب رسول مقبول صلعم مکہ سے مدینہ تشریف فرما ہوئے۔ تو آپ نے یہودیوں سے معاملہ فرمایا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی دونوں مل کر دفاع کریں گے۔ مگر عبادت ایمان اور اعتقاد کا جہاں کا سوال ہے انہیں کوئی معاہدہ ممکن ہے اور نہ اس کا مذاق اللہ پاک گوارا فرما سکتے ہیں۔

نمائندہ کا مذاق اور
قدرت کے طمانچے

چیف منسٹر منظرین ٹی مارا راؤ اور منسٹر بھاسکر راؤ کو بہت پرستی کرتے ہوئے نماز کا مذاق اڑانے کی یہ سزا ملی کہ ایک ماہ تک چیف منسٹر منظرین ٹی آر صاحب کمرسی سے علاج نہ ہو کر منسٹر بھاسکر راؤ کے ہاتھوں پریشان رہے، پھر بھاسکر راؤ کو یہ سزا ملی کہ ایک ماہ چیف منسٹر کی بعد ہمیشہ کے لئے سیاست کے آفت سے غائب ہو کر گمنامی کی زندہ گلی نصیب ہوئی۔ مسلمانوں کی حمیت اور غیرت پر قدرت نے یہ طمانچہ اور تازیانے برائے کہ کئی مسجدیں باقہ سے نکل گئی اور مسجد بابری میں بیت بٹھ گئے۔

مسلمانوں کا دعوت اقبال قبول
کرتا اور ساتھ ادائی نمائندہ

مسلمانوں کا پرانہ منسٹر چیف منسٹر کی دعوت اقبال کو قبول کرنے کا جہاں تک سوال ہے اس کا جواب حقہ سوئم مسلمانوں کے تکلیف دہ سوالان روح زوال کا حل مل ہو اللہ ہو احد (سورہ اخلاص) میں مفر ہے علامہ اقبال کی لاجواب تفسیر دلائل اور مثالیں صحابہ اکرامؓ و بزرگان دین میں خصوصاً شان بے نیازی امام مالکؒ میں مل جائے گا جبکہ خلیفہ ہارون الرشید جیسے جلیل القدر خلیفہ نے امام مالکؒ کو اپنے پایہ تخت بغداد آنے کی دعوت دی تو امام مالکؒ نے کس شان بے نیازی سے انکار کر دیا کہ :-

گفت مالکؒ معطفہ راجا کرم نہ نیست جز سوطے او اندر سرم

عشق می گوید کہ فرمانم پذیر نہ بادشاهان را بخد مت ہم مگیسر

اگر یہ تمہارے کہ امام مالکؒ کی بات صدیوں پیرانی ہے تو اسی صدی کا ذکر ہے کہ شاہ دکن نظام اسابع میر عثمان علی خاں جن کو اقتدار کا نظر تھا ایک امیر کو یہ خبر سن کر ایک

صاحبِ دل بندِ رگ جو سو سال کے قریب تھے اور روزے اور عبادات میں خود ہلتے تھے ر کیا کہ ان کے روزے کے تعلق سے دریافت کریں اور کھلا بھیجا کہ آج افطار شاہی آپ کی زمین میں کیا جائے گا۔ نظامِ دکن کے امیر کی جیب ان بندِ رگ بہتی کے گھس میں باندیا بی ہوئی اس کا سبب دریافت کیا جب امیر نے شاہ وقت کے حکم کی نیا دیر بندہ کے بارے میں د کیا تو بڑی مشکل سے اپنا سر اٹھا کر جواب دیا تمہارے بادشاہ کو تمہارے روزے سے سروکار؟ یہ تمہارا اور تمہارے اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔ جب افطار شاہی کے کرنے کا شاہ دکن کے ارادے کا امیر نے ذکر کیا تو اس بندِ رگ نے غصہ سے بلا خوف فرما تم اپنے شاہ سے جا کر کہہ دو کہ ہم تمہارے ناپاک رویہ کے افطار سے روزہ نہیں خوار کر سکتے۔ آئندہ ہم کو تانے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ جواب سن کر بادشاہ پر ایک سکتہ کا کیفیت طاری ہو گئی۔ جب انسان لا کی منزل کا میابی سے طے کر کے الا کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو بقول علامہ اس کی منزل یہہ ہوتی ہے کہ :-

یقین مثل خلیل آتش نشینی :- یقین اللہ مستی خود گریبی

ہج کے مملکت کا تو یہہ حال ہو گیا ہے کہ دعوتِ افطار پر ائمہ منسٹر اور چیف منسٹر پر بڑی بڑی دینہ امیدیں لے اغزانہ سمجھ کر دولتِ عالی پر حاضر ہو جاتے ہیں مگر کچھ ملا تو صرف افطار اور نماز چیف منسٹر کا ساتھ اور مسجدیں افطار کے معاوضہ میں تندرست رہن ہو گئیں۔

بتوں سے تجھ کو امیرین خدا سے تجھ کو نوامیدی :- تجھ بتا تو سہی دور کا فری کیا ہے ؟
نمائندہ بھی یو جا بھی کہ اخبارات کی یہ خبر کس نے نہیں پڑھی کہ کشمیر کے چیف منسٹر ڈاکٹر فاروق نے اپنے باپ شیخ عبداللہ کے نقش قدم پر چل کر جموں کے مشہور مندر میں

دشنو دیوی کی پوجا کی اور دشنو دیوی کے آئینہ شاد حاصل کرنے کے لئے
کا اظہار کیا۔ پھر مسجد میں نماز کیلئے کعبۃ اللہ حج کے لئے روانہ ہوئے پوری قوم کی زبان بدادوں پر مہریں لگا چو کہ وہ جہاں آتے ہیں کوئی جلسہ احتجاجی نہیں علماء کا کوئی فتویٰ منظر عام پر نہیں آیا۔ جب مملکت قوم لا کی منزل ہی طے کر کے الا کی منزل پر نہ پہنچے تو بقول علامہ اقبال :-

نہاد نہ گئی میں ابتدا الا :- پیامِ موت ہے جب لا ہوا الا سے بگناہ
وہ ملت روح جکی لاسے آگے بڑھ نہیں سکتی :- یقین جانو ہوا لبِ زیر اس ملت کا پیمانہ
ایک فاروقی عبداللہ شیخ عبداللہ پر کیا ٹھہرے :- بے حساب مسلمان جو اپنے آپ کو عبداللہ یعنی اللہ بندے کہتے ہیں ادھر شیخ سداوند سو کو دنیوی فراغت کیلئے کمانتے اور ان کے نام پسند رویہ دیتے

اور نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے ہیں علامہ اقبال کا قطعی فتویٰ ہے کہ :-

دہی مسجد ہے لائق استہمام :- کہ جو جس سے ہر مسجدہ تجھ پر حرام
اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دنیوی فراغت ملتی ہے، نہ سوا اور سد و کومانے سے تو بقول علامہ اقبال
مع - دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پروانہ - نتیجہ خریدی جہنم

(فلسفہ اور حقیقتِ مسجد)

مسجد کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے حالانکہ ہر شخص بلا شک و شبہ جانتا و مانتا ہے کہ اللہ تمام تیروں
دعائوں و مسکن سے پاک ہے۔ کعبۃ اللہ کو بھی اللہ پاک نے اپنا گھر قرار دیا۔ یہ اللہ پاک کا کعبہ احسانِ عظیم ہے
کہ اللہ پاک بے نیاز ہوتے ہوئے بندوں کے خلوص اور محبت کی قدر فرماتے ہیں جب اس کے دو مقدس بندے
باپ اور بیٹے کے روپ میں محبت الہی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر یا عتیٰ الہی میں فنا ہو جانے کے بعد
ایک مٹی و پیچہ کا گھر بناتے ہیں۔ تو اللہ پاک اس کو اپنا گھر ہونے کا اعلان فرماتے ہیں اس طرح وہ تمام
مسجیدین جن کا رخ کعبہ کی جانب ہو اور جہاں اس کے بندے شرک سے آزاد ہو کر اپنی پیشانی اس کے
دربار میں ایک جگہ جمع ہو کر ٹیک دیں۔ اور عالم بنی خودی میں سجدہ دینے ہو کر وحدانیت اور
نیرنگی کا اعتراف کر لیں وہ بھی اللہ کے گھر قرار پا گئے۔ مقام خود یہ ہیکہ نمازیں گھر میں بھی ادا
ہو سکتی ہیں تنہائی میں زیادہ رقت اور حضورِ قلب سے نمازوں کی ادائی ہو سکتی ہے تو پھر
مسجدوں کی ضرورت؟ اللہ اور اس کے انبیاء کے تمام کام نہ ان کے فائدہ و منفعت کیلئے ہوتے
ہیں نہ کسی کام میں ان کا ذاتی اغراض کو دخل ہوتا ہے۔ انبیاء کے پیش نظر اپنی اہم کامغاد اللہ کے
پیش نظر اپنے بندوں کا مفاد ہی رہتا ہے۔ مسجد میں اللہ کا گھر اسلئے کہلاتا ہے کہ وہاں اللہ کے بندے
شرک و کفر کی غلاطت کو گندگی سے پاک ہو کر ایک اور نیک بننے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کی بندگی کا
انہماک ایک اتفاقِ ایجاد کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر ایک ساتھ قیام ایک ساتھ شان الہی کے
ساتھ جھیک جانا ایک ساتھ شانِ جلالی کے سامنے اپنی پیشانی کو زمینِ پڑیکہ کو اعلان کرتے ہیں کہ ہم صرف
تیرے بندے ہیں اور اے ربِّ تو پاک قابلِ تعریف اعلیٰ و ارفع ہے۔ مسجد کی نماز و تسبیح، تنظیم
اتفاق، مساوات، اتحاد کی مسلمانوں کو تعلیم دیتی ہے۔ عام حالات میں تو کیا جبکہ جنگ جاری ہے
جانویر بنی ہے اور علامہ اقبال کی زبان میں سنئے قومِ حجاز کا کیا عالم ہے اور اسلام کی مساوات کیا ہے
آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز :- قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاز :- نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی سیدہ نواز

تیسری سرکامین پہنچے تو بھی ایک ہوئے : بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
مسلمان یوں نرا غنت نماز اپنے زبان حال سے خود بقول علامہ بیہ پکا رہا ہے ۔
مٹا دیا میرے ساتی نے عالم من و تو : پلا کے تجھ کوئے لا الہ الا هو

مسجدوں میں مسلمان کا جمع ہونا عبادت الہی کا بجالانا و حمدانیت کا ڈھکا بجانا علامہ اتحاد و اتنی ق
اور اسلام کی شان میں مظاہرہ اور ڈسپلین کے اظہار کے علاوہ آپس میں مسلمانوں کو رسول مقبول صلعم
نے بھائی چارگی کے جس رشتہ میں جوڑ دیا ہے اس رشتہ کو فروغ دینا اور ایک دوسرے کے
حالات سے واقف ہو کر ایک دوسرے کی خدمت اور حاجت روائی کرنا عین مقصد اولین ان مساجد
کا تھا اور ہے چونکہ اس قدر مقصد اعلیٰ ان مساجد میں آنے سے حاصل ہوتے ہیں اللہ نے ان مساجد کو
اپنا گھر فرمایا ان مساجد میں جمع ہو کر مسلمان اپنے بھائی چارگی کے رشتہ کو استوار کرتے اور محبت کا دولت
حاصل کرتے ہیں اور محبت ہی وہ شے ہے بقول علامہ اقبال :۔

محبت ہمارے باپ ہے شفا ہمارے توموں : کیا ہے اپنے محبت خفہ کو بیدار توموں نے
ایک وقت آیا کہ مسلمان مسجدوں کے قیام کے فلسفہ اور مقصد سے بے خبر ہو گئے کہ علامہ اقبال
کی زبان میں حالی یہ ہو گیا کہ :۔

مسجد میں مرثیہ خوان ہیں کہ نمازی نہ ہے : یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے
اب مسلمانوں نے اللہ سے ہٹ کر مسجدوں کی یوجا شروع کر دی۔ بجائے مسجد خدا کے ذریعہ
اپنے کردار کو سنوارنے اپنے ربح و خراب کو منور کرنے کے مسجدوں کو سنوارنا اور انھیں
منور کرنا اور ایسی جھگڑے اور غبتیں کا مسجدوں کو اکھاڑنا بنا ڈالا اور مسلمان یہ سمجھنے سے قاصر
ہو گئے۔

اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز : بے تب و تاب ددوں میری صلوٰۃ اور درود !

(مسجد بابر می اور دیگر مساجد)

جب مسلمان مسجدوں کو کئی منزلہ بنانے اور سنوارنے اور آپس میں ٹنکرانے میں لگم ہو گیا
نماز میں بے سوز بے تب و تاب ددوں ہو گئیں۔ تو حال یہ ہو گیا کہ
مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے

من اپنا پیرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا۔

یہاں بمصرع اول میں جو ایمان کی حشرات کا ذکر کیا گیا ہے وہ طنز یہ انداز میں کیا گیا ہے
 پھر اسلاف کی اور ہماری نمازوں کا حال یہ ہو گیا : —
 (۱) لا الہ اندر نماز میں بود و نیست : — ناز ہا اندر نیازش بود و نیست
 (۲) نور در صوم و صلوٰۃ او نمائند : — جلوگہ در کائنات او نمائند
 (۳) ہمارے اسلاف کی غمازین وہ نمازین تھیں کہ ان کی غمازوں میں لا الہ کا اظہار ہوتا تھا
 یعنی ان کی نماز ہر منسوعی معبود کی نفی کر کے **لا الہ** کی قوت کا اظہار کرتی تھیں اب یہہ نیز
 یہہ جذبہ یہہ اندازہ ادائی غماز ہم میں نہیں رہا ۔

(۴) ہمارے اسلاف کے روزوں اور نمازوں میں ایک نور تھا جس کا جلوہ پوری کائنات پر اثر انداز
 تھا مگر اب نہ ہمارے روزوں کی وہ کیفیت ہے اور نہ غماز میں وہ کیفیت باقی رہی ہے
 پھر علامہ فرماتے ہیں :-

(۱) روح چون رخت از صلوٰۃ و از صیام : — فردنا ہموار دملت بے نظام
 (۲) سینہ ہا از گرمی قسہ آں تہا : — در چنین مرداں چہ امید ہی
 ترجمہ :- جب غماز اور روزے کی روح ہی نکلی گئی تو فرد کی زندہ گی نا ہموار ہو گئی اور
 مسلمان قوم منتشر ہو کر رہ گئی اور نظام ملت سے محروم ہو گئی ۔
 (۳) سینے قسوں کی گرمی سے خالی ہو گئے تو اسے مسلمانوں سے بہتری کی کیا امید ہو سکتی ہے
 جب یہہ حالت مسلمانوں کی ہو گئی تو بقول علامہ اقبال **بال جبریل** میں اللہ پاک نے فرشتوں
 کے نام فرمان جاری کیا مسجدوں کی سجاوٹ اور سخی منزلیں مسجدوں کی بناوٹ اور مسلمانوں
 کی بے حسی دیکھ کر :-

حق را بہ سجودے ضماں را بطوافی : — بہتر ہے جسے اعتراف و ذریعہ سجود
 میں ناخوش و نیراہ ہوں مرکز کی سلوں سے : — میرے لئے کسٹھی کا حرم اور بنادو !
 جب یہہ فرمان عالی صادر ہوا تو مساجد کی حقیقی حفاظت خلیفہ عبادت و لجا الاعمال مسلمانوں نے
 قبل انہیں چھوڑ ہی رکھی تھی اب فرشتے بھی ایسی مسجدوں کی حفاظت سے دست بردار ہو گئے
 اب مسجدوں کی تعمیر ابتداً ان مسلمانوں نے شروع کردی بقول علامہ :-

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک : — ایک ہی پرکائی دین بھی قرآن بھی ایک
 حرم ایک بھی اللہ بھی قسراں بھی ایک : — کچھ بڑی بات تھی کہ جو مسلمان بھی ایک

مسلمان اور مسجدوں کے بٹوارے } بٹوارے تو باپ کے مرنے کے بعد اسکی جائیداد کے ہوتے ہیں لکن بد بختی کی بات ہے کہ اللہ باقی اور مسلمانوں نے اللہ کے گھر کے شروع کردیے

(۱) مساجد اہل سنت والجماعت ۲، مساجد جماعت اسلامیہ

(۳) مساجد اہل حدیث (۴) مساجد مہدویہ (۵) مساجد شیعہ حضرات پھر مساجد فرقہ قادیانی جن کو پاکستان نے غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اب مسجدوں پر اپنے اپنے بورد لگائے ہیں۔ جن کا یہ حال ہیکہ

ہے ازل سے ان غیر یوں کے مقدس کا بخود : ان کی فطرت کا تقاضہ ہے نماز بے قیام

مسجدوں کے آپس میں ہی بٹوارے ہوتے رہے آخر اللہ پاک نے مسلمانوں کی گوشمالی اور رحمت و غیرت پر تازیانے برسائے ابلیس اور اس کے پیلوں کو موقع دیا کہ مسجد باری پر قبضہ کر کے بت بیٹھا دین

گو یا اس مسجد کا نام ہوگا۔ (۶) مسجدی ضم آشنا چونکہ مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ

تیرا دل تو ہے ضم آشنا تجھ کیا ملے گامنا نہ میں — اب بھی مسلمان دست بہ گریبان ہیں صرف جیسوں کا اتفاق اور نعروں کا اضافہ ہے فرقہ بندیوں ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مکتب خیال کے عالم بلواتا اور تقاریر میں محو ہے۔ اور ادھر۔ طعن اغیار ہے ناداری ہے رسوائی ہے۔ اگر اب بھی مسلمان علامہ اقبال کی پکار سن کر ایک ہو جائے، نیک ہو جائے تو اے مسلمان ! —

کشتی حق کا زمانہ میں سہارا تو ہے : عصر نورات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے
تو سمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزار کا : امتحان ہے تیرے اشیاء کا خوداری کا !
کیوں ہر سال ہے صہل فرس اعدا سے : نور حق تجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے
جہنم اقوام سے خفی ہے حقیقت تیری : ہے ابھی غفل ہستی کو ضرورت تیری

اب مسجدی باری کے حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو فرقہ آرائیوں سے بچنا اور ہمہ سمجھنا ہے کہ :-

دامنِ دین با حق سے چھوٹا تو جمعیت کہاں : اور جمعیت ہو تو رخت تو ملت بھی سچی
ڈال گئی جو فصل خزاں میں شجرے ٹوٹ : ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے
ملت کے ساتھ رابطہ اسے تو رکھ : پیوستہ رہ شجر سے امید بہار نہ رکھ

مسلمانوں نے علامہ اقبال کی مندرجہ بالا کیفیت پر عمل کیا تو مسجد باری ہی کیا کائنات پر

قبضہ ہو جائے گا — خود بخود گرد و دریا نہ باز : برہمی پیمائنگان بے نیاز

اگر لذتِ ایمان ہے تو اللہ کے میخانے کا دروازہ اللہ کی عشق کی شراب پینے والے کھلے

خود بخود کھل جائے گا۔

علامہ اقبال مسلمان رمضان اور ہلالِ عید الفطر

نماز اور روئے قرآن پاک بُرائیوں سے روکتی ہے اور روزہ مسلمان کو متقی بناتا ہے اگر نماز تیرہ بُرائیوں سے روکے نہ روزہ متقی بنائے تو علامہ فرماتے ہیں۔

روحِ چوں رفت و صلواتِ و از صمیم تو فردنا ہموار و ملت بے نظام
درو ذکا اسلام کا تیسرا رکن ہے اور ایک ایسی عبادت ہے جس کا راسخ تعلق اللہ پاک کی ذاتِ پاک سے ہے اور اس کی جزا جن اللہ پاک ہی ہیں۔ اسلام کے چار ارکان ایسے ہیں جو عقل سے ظاہر ہوتے ہیں کوئی کلمہ پڑھتا ہے تو ہر کوئی اسے سن سکتا ہے نماز، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی سب دیکھ سکتے ہیں مگر کوئی روزہ ہے تو اس کا جاننا صرف روز دار یعنی بندے اور خالق پر منحصر ہے۔ روزہ روح کو لطیف، قلب کو منور اور جسم کو تندرست بناتا ہے۔ گویا جسمِ روح اور قلب سب ہی بروقت دہرا اس عبادت سے تندرستی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے عموماً اس مبارک ماہ کا انتخاب لبرِ خیر و صولٰی ثواب حزیہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اس ماہ میں یہ دو ارکان اسلام بہ وقت و احد تکمیل پانے اور ہجرِ ناز کی پابندی سے ادائیگی یا تین ارکان اسلام کی تکمیل کروائی اور پہلے رکن کلمہ طیبہ کی تصدیق کروائی ہے۔ گویا یہ ماہ مبارک رمضان ایک ایسا ماہ ہے جو اسلام کے بہ وقت و احد چار ارکان کی تکمیل کرواتا ہے۔

جب علامہ اقبال کی عمیق نظر میں ماہِ رمضان کی برکتوں اور روزے کے فوائد پر پڑتی ہیں اور علامہ سب قوم کا سروے کرتے ہیں تو صرف غرباء کو حالتِ روزہ میں دیکھتے ہیں۔ اور امراء کو دولت کے نشہ میں پا کر اللہ پاک کی جانب یوں فرماتے ہیں۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صفِ آراء تو غریب تو زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارہ تو غریب
امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے تازہ ہے ملتِ بیضا غرباء کے دم سے
طنعِ آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے تمہیں کہدویہ آئینِ وفاداری ہے
علامہ اقبال کے اس شعر کی تصدیق کیلئے کہ

طنعِ آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے تمہیں کہدویہ آئینِ وفاداری ہے
اگر تمام مسلم ہونٹوں کا ماہ رمضان المبارک میں ملے وقت سروے کیا جائے تو یہ دیکھ کر افسوس

ہو گا کہ امر و طہقہ ہی نہیں بلکہ اوسط طبقہ بھی اسلام کے اس رکن سے مستفید ہونے اور برکات حاصل کرنے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوانوں کی اکثریت ہر ہوٹل میں جائے نوش فرماتے لقمی، کباب، بریانی اور دن کے دو بجے بعد سے ہر سی و طہیم سے لذت یاب ہوتے دیکھ کر شاید اللہ پاک اب یوں کہہ اٹھیں ”نوجوان نشہ ہوٹل میں ہی غافل ہم سے یہ چیز خاص خود پر ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ روزے ماہ رمضان کے نہ کوئی بڑے ہیں نہ کوئی چھوٹے۔ تمام روزے یکساں اہمیت کے حامل اور یکساں فرض ہیں۔ لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کے چند نوجوان خاص روزوں کو بڑے روزے قرار دے کر انہیں پابندی سے رکھتے ہیں۔ خصوصاً جمعۃ الوداع کا روزہ بہت بڑا اور متبرک تصور کر کے اس کی تکمیل کرتے ہیں اور کثیر اجتماع کا اس روزہ اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ سب روزے یکساں فرجہ ہیں۔ اپنی تن آسانی کے لئے خاص روزوں کو بڑے قرار دے کر انہیں بقول علامہ اقبال۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے عجم ملال ہو؟ یہ انداز مسلماتی ہے؟
 کام مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبال اسلاف کی نسبت روحانی اور حیدری فقر اور دولت عثمانی اور زور حیدری و رعب فاروقی اور صدیق کی صداقت کا ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ یہ سب کچھ پابندی مذہب کی وجہ سے تھا اور آج مذہب کی پابندی نہ کی جا کر ایک طرف تو قوم خود کشی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اور غیر خود خود دار قوم کی تعریف میں نہیں آتی۔ صرف جمعۃ الوداع کے نظارے، عید کو سننے، ملبوسات قوم کو قوم بنا سکتے ہیں اور نہ رمضان المبارک کے فیوض و برکات سے مستفید کر سکتے ہیں گویا علامہ کا کہنا ہے کہ تم تو رمضان میں اتفاقاً ایمان و مذہب کی پابندی سے محروم ہو کر ملبوسات خریدتے اور خواہشات کی تکمیل سے محروم رہتے ہو اور اسلاف اس متبرک ماہ کی برکت سے گلستاں بکھار دیتے تھے یعنی جنت خریدتے تھے۔ علامہ ان خیالات کو یوں ظاہر فرماتے ہیں:-

خود کشی شیوہ بہتہارا وہ خیر و خود دار و تم آنوت سے گزریاں و آنوت بہ نثار
 تم ہو گفتار سزا پا وہ سزا پا کردار و تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستان بہ کنار
 روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں مفوی خدا کا احساں و تقویٰ ہر روزہ دار کو ضروری ہے صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کی حد تک حضور ﷺ اوندی کا تقویٰ اور اگر گناہ کے سرزد ہونے کا حد تک یہ تہر نہ رہے تو آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ اگر کوئی کھانا پینا چھوڑ دے اور دیگر

برائیوں سے پرہیز نہ کرے تو خدا کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔
 بہر حال ماہِ رمضان کا مہینہ کہ ماہِ مسلمان کے کردار کی پختگی کو دعوت دینے اور انہیں
 مستحکم کرنے پر سال آتا ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس ماہ میں چار ارکانِ اسلام کی یہ
 وقتِ واحد تکمیل ہوتی ہے پھر پانچویں رکعتِ حج کی تیاری رمضان کے گزرنے کے بعد ہی سے
 شروع ہو کر ذی الحجہ میں تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اگر کردار کی پختگی اور یقینِ محکم کے ساتھ اللہ اور
 اس کے رسولؐ کے احکام کے تحت ارکانِ اسلام ادا نہ کئے جائیں اور ان کا حقیقی حق اُن کو نہ دیا
 جائے تو علامہ اسلاف سے ہمارا یوں تقابل فرماتے ہیں :-

لوگوں میں وہ بھو باقی نہیں ہے ، وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج ، یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

رمضان میں تراویحوں میں اور عام طور پر قرآنِ مسلمان سنتا اور پڑھتا ہے۔ علامہ کا الیقان ہے
 کہ صرف قرآن پڑھنے اور سنتے سے کام نہیں بنتا۔ ان پر عمل پیرا ہونے سے ہی مسلمان، مسلمان
 کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے اور محکم قرآن بن کر آسمانوں پر پرواز کر سکتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں :-
 یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن کی قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
 رمضان میں جو لوگ تراویح صرف تکمیلِ حجت کیلئے پڑھتے ہیں۔ امام کے رکوع میں جانے تک بیٹھے رہ کر رکوع
 میں جاتے وقت رکعت باندھ کر شریک ہو جاتے ہیں علامہ انکے بارے میں فرماتے ہیں :-

تو ایسا نہیں آشتلے نماز اب تک ، یہ کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک

رمضان میں مسلمان جو روحانی کیفیتِ فیض سے مستفید ہونے کے بجائے ملبوسات کی خرید و
 فروخت، دھریں و حلیم، اونٹ کے گوشت اور مختلف لذات و خواہشات کا شکار ہو کر گم ہو جاتے
 ہیں تو علامہ فرماتے ہیں :-

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ، مومن کی یہ پہچان کہ گم آسمیں ہے آفاق

یہ کافر تو نہیں کافر ہی سے کم بھی نہیں ، کہ مردِ حق ہو گرفتارِ ماضی و موجود

ایسے مسلمانوں کے لئے ہلالِ عیدِ علامہ کے نقطہٴ نظر

ہلالِ عیدِ الفطر اور مسلمان

سچے بظاہر خوشی مگر دراصل روحانی اغماغ اور نادان

کا پیام ہے، فرماتے ہیں۔

غزہ شوال کے نورنگاؤں روزہ دار کے آگے تھیرے لئے مسلم سہارا انتظار

تیری پیشانی پر تحریرِ پیامِ عید ہے ، شامِ تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے
سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے ، اے مہ نویم کو تجھ سے الفتِ دیرینہ ہے
پھر علامہ اپنی قوم کے ایمان کردار کی پختگی قوم کو مالی و روحانی معاشی و قلبی افلاس میں
دیکھ کر ہلالِ عید سے یوں گویا ہیں ۔

اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے ، اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی بستی دیکھ لے
قافلے دیکھ اور انکی برق رفتاری بھی دیکھ ، ہر روز درماندہ کی منزل سے ہزاری بھی دیکھ
دیکھ کر تجھ کو اُفقِ برسم لٹاتے تھے گھر ، تر اے جسے ساغرِ ہماری آج نادالی بھی دیکھ
علامہ کی مراد ناداری سے معاشی افلاس کے علاوہ روحانی اور قلبی افلاس ہے
عید کا ہلال دیکھ کر علامہ مسلمانوں کے آپسی نفاق اور فرقہ آرائی سے نمناک ہو کر
ہلالِ عید سے مخاطب ہیں کہ اے ہلالِ عید دنیا کو علم سے بہرہ ور کرنے والی قوم اور لطف
تکلم سے آشنا کرنے والی اُمت آج کیسی بے زبان ہو گئی اور جبے زبان تھے آج
کس طرح گرم گفتاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں ۔

جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا ، اسی حریفِ بے زبان کی گرم گفتاری بھی دیکھ
بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو ، اُمتِ مرحومہ کی آئینہ دیواری بھی دیکھ
موریتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ ، شورشی افروز میں خود سرد و دوش رہ
علامہ اقبال سب کچھ کہہ کر قوم کو قنوطیت کے غلام میں ڈھکیل نہیں دیتے بلکہ نسخہ
شفابھی تجویز فرماتے ہیں ۔

بتاؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے ، یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں
کہو یا نہ جاسمِ کردہ کا کائنات میں ، محفلِ گزرا گری محفلِ نہ کمرِ قبول ،
آخری نصیحتِ علامہ یہ فرماتے ہیں ۔

اے روزہ دار تو احکامِ محمدی کی تعمیل میں روزہ رہ اور شریعتِ
محمدی سے وفا کر تو لوحِ و قلم تیرے ہیں یعنی اللہ پاک کی زبان میں
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں جینا ہے کیا لوح و قلم تیرے ہی

فلسفہ حج اور علامہ اقبال

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے لیون کہا جائے کہ یہہ یونینوہ طی آف اسلام کی آخری ڈگری ہے مسلمان کو ڈاکٹر آف اسلام بنادیتی ہے تو سو فیصد بجا اور درست ہوگا۔ دنیوی تعلیم کے لئے 'اے' جی سے پرائمری پھر میٹرک اسکول اور ہائی اسکول کی منزلیں طے کر کے کالج میں داخلہ لینا گراجویٹ پھر پوسٹ گراجویٹ بین کمر ایک پروفیسر کا سہارا لیکر اور اس کا دامن تھام کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا کس قدر دشوار اور دقت طلب ہوتا ہے اس سے نامدہ دشوارہ دینی ڈگری کا حصول ہوتا ہے مگر آجکل اس کو حاصل کرنا بڑا آسان سمجھ لیا گیا ہے۔ جیسا کہ فلسفہ لا الہ الا اللہ میں کہا گیا ہے۔ لا کی منزل کو طے کرنا لا الہ الا اللہ کی منزل پر پہنچ جانا کقدر مشکل ہے۔ یہہ دشوارہ منزلیں عملی طور پر طے کر کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں بن سکتا گو یا لا الہ الا اللہ کی خود ایک یونینوہ طی ہے جہاں وحدانیت کا کوہ سس تکمیل کر کے یہہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ توحید درحقیقت بقول علامہ اقبال ایک زندہ توت ہے اور

روشن اس خسو سے اگر ظلمت کمرہ نہ ہو : خود مسلمان سے پوشیدہ ہے مسلمان کا مقام
جب اس منزل سے بھی مومن کامیابی سے گزر جاتا ہے یعنی اس یونینوہ طی کا کورس کامیاب کر لیتا ہے
تو یونینوہ طی آف نماز میں قائم رکھ کر مزید عبدیت کے تھاخووں کے کورس کی تکمیل کرنی پڑتی ہے پھر مسلمان کو
وہ سجدہ لےنے کی سعی کرنی پڑتی ہے کہ

دہی سجدہ ہے لائق اہتمام : کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

پھر حضور صلی علیہ وسلم کی عملی تعلیم مومن کو "دلِ بینا" عطا فرمائی ہے اس نماز یونینوہ طی سے ایک مومن خدا کا
ایک عاجز و فرما بر دار عبد کامل اور دیونوی معاملات میں ایک سچا انسان متعارف کر پار کے زیور سے آراستہ
ہو کر نکلتا ہے۔ ایک طرف یہ نمازی اللہ کے حقوق ادا کرنا سیکھ جاتا ہے تو دوسری جانب اس کے بندوں
کے حقوق کی بھی ادائیگی اس کا خیمہ زندگی بن جاتی ہے اور ایسا مومن قرآن کی اس آیت شریفہ ان
الصَّلَاةَ تَذَكِّرُنِي اَعِنِ الْفَحْشَاءَ وَالْمُنْكَرَ دماغہ فحش بے موردہ باتوں ناشائستہ حرکات اور
بے حیائی اور خدا کے منع کئے ہوئے امور سے روکتی ہے (کی تفسیر میں کر دینا کے سامنے ایک جھکت موقی بن
کر آتا ہے پھر نمازوں میں وہ لذت ذریعہ قرآن حاصل کرتا ہے کہ عملی انداز سے اسکی زندگی بقول
حضرت علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر بن جاتی ہے :-

یہہ راندنسی کو نہیں معلوم کہ مومن : قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

بھر بھوک پیاس اور خواہشاتِ نادارچی کو اللہ کے لئے کچل دینے کی منزل میں جب آتا ہے تو اس کو یونیر سٹی
 آف روزہ واقع شہر رمضان میں داخل ہو کر سند حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر اللہ کے نام پر مالِ نبامِ مذکورہ
 اور صدقہ دینے کا سند لیکر یہی ثبوت دنیا پر تاپا ہے کہ مومن کے لئے اللہ کے سامنے مال کی کوئی حقیقت
 ہی نہیں ہے۔ زمانہ برائیوں سے روکتی ہے تو روزہ مومن کو متقی بنا دیتا اور مذکورہ کو یونیر سٹی اللہ کے لئے
 مال کو قربان کر دینے کے ایضاً ب کی تکمیل کرواتا ہے۔ آخری یا چوبیس ڈگری جو یونیر سٹی آف کعبہ سے
 حاصل کیجاتی ہے اس کو اگر مسلمان طواف حج کا تکلمہ بھاگ دوڑ سمجھ کر حاجی بن جانا تصور کرتا ہے
 تو یہ اس کی بھاری بھول ہے یہ دراصل عشقِ الہیہ کی امتحان کی آخری منزل یا آخری ڈگری ہے
 جو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت بی بی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حاصل فرمائی تھی
 توڑ دینا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق : ہوش کا دارہ ہے گویا ہستی تسیم عشق
 اگر ہم عشق کو تو ہے کفر بھی مسلمانی : نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و فاجر !
 جب ایک شعلہ یا نہ مردہ شعلے کو شکار نہیں سمجھتا اور نہ اپنے شاہانِ شان سمجھتا ہے تو اگر کوئی دل
 مردہ لیکر حج کو جائے کہ یہ دل مردہ پیش آنے والی کرے تو اللہ پاک اس کو قبول فرما سکے ہیں : اگر نہیں
 لگاہ عشق دل زندہ کا تلاش میں ہے : شکار مردہ سزاوارش ہیا نہ ہیں
 یہی وجہ ہے کہ دیکھنے کو تو حاجیوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے مگر دل زندہ رکھنے والے حاجیوں
 سے تو کعبہ خالی ہی نظر آتا ہے علامہ کہتے ہیں -

اے مسلمان! اپنے دل سے پوچھ مٹا سے نہ پوچھ : ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم
 جس دل میں عشقِ الہی ہی نہ ہو وہ درحقیقت بلاشبہ مردہ ہے -
 عشق سے پیدا نوائے زندگی میں نہرویم : عشق سے مٹی کی تصویریں میں سمونہ دبیم
 آدمی کے ریشہ ریشے میں سما جاتا ہے عشق : شاخِ گل میں جس طرح باکِ سحر
 اپنے مذاق کو نہ پہنچانے تو محتاجِ ملوک : اور پہچانے تو میں ترے گدا دار و رحم !!
 مرد خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فرغ : عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
 ”عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام“ کی تفصیل میں مقدمہ سنیات حضرت
 ابراہیم علیہ السلام بی بی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہا صدیوں کے بعد بھی زندہ ہیں اور
 موت ہے ان پر حرام۔ ان پاک ہستیوں کا عشق اللہ پاک کو ایسا بھایا کہ قیامت تک
 ان کے حرکات کو بے گناہ کا جامہ پہنا دیا اور ان کو زندہ جاوید بنادیا۔

عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ ۲ : عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام !
 عشق کی مستی سے ہے پیگر گل تاب ناک : عشق ہے صہبائے خاتم عشق کے کاس اکرام !
 عشق نقیبہ حرم عشق اسیر جنود : عشق ہے ابن البیہل اس کے ہزاروں مقام !
 عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات : عشق سے نور حیات عشق سے تار حیات !
 عشق کی شریا سے بھی اونچی چوٹی پر جب حضرت ابراہیمؑ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ نے قدم رکھا
 تو ہر ایک عشق الہیہ کی مستی میں ایسے بے خود تھے کہ مٹ جانے کے ظاہر اسباب تھے۔
 کمزور عورت معصوم بچہ خوفناک بے آب و گیاہ ریگستان اور حضرت ہاجرہ اور حضرت
 اسمعیلؑ۔ ایک طرف نادر مرد اور حضرت ابراہیمؑ ایک طرف حکم قربانی فرزند اور باب اور
 بیٹے عشق الہیہ میں خمور اور احکام الہی کی تعمیل و تکمیل کے لئے سراپا حاضر۔ اسباب فنا کے
 مگر عشق کی قوت کہ : —

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنادیتی ہے : وہ اثر رکھتی ہے خاکستر روانہ دل
 عشق کے دام میں پھنس کر یہ ر
 ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی
 عشق بلند مال ہے، لہسم
 ہر حال حج سے مراد ہے عشق اور تہ
 کے مطابق مگر گزرنے تیار ہو جائے
 مسلمان یہ سمجھ لے کہ فرافض حج ہے
 اور خون اللہ پاک تک نہیں پہنچ
 قربانی ذبیحہ کے وقت یہ تصور و عہد کہ
 عشق و محبت میں قربان کرتے رہیں گے، یہی مقصد۔

اور حاجی آشنا ہو جائے تو مقصد حج ہی نہیں، مقصد حیات کی میل
 الحاج کی ڈگری اور باہر کا سامان لانا ہو جائے تو ایسے حج کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں : —
 نماز و روزہ و قربانی و حج : یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا ہے : کنہ ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بنی شام

علامہ اقبال مسلمان اور قرآن

۳۸

قرآن پاک کے بارے میں علامہ اقبال اپنی معرکہ الآرا کتاب رموزِ خودی میں "قرآن حکمتِ ملت محمدیہ کا آئینہ ہے" پر (۳۱) اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

اں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم : حکمتِ اولیٰ زلال است و قدیم
نسخہٴ اسرارِ نگوینِ حیات : بے ثبات از قوتِ نقشِ گروِ ثبات
نوعِ انساں را پیامِ آخرین : حاصل اور رحمتہٴ العالمین^۲

یعنی حکمتِ والی کتاب بلاشبہ قرآن پاک ہے جو ایک زندہ کتاب ہے، اس مقدس کتاب کی حکمتِ قدیم لاندہ والی ہے یہ کتاب حکیم کی حیثیت رکھتی ہے اور عالمیادلوں کو دور کرنے کے نسخہٴ جات اور زندگی کو سنوارنے کے اسرار اس قرآنِ حکیم کے سینے میں پوشیدہ ہیں۔ بے ثبات لوگ اس سے قوت اور ثبات حاصل کرتے ہیں۔ یہ کتاب نوعِ انسان کے لئے پیامِ آخرین ہے اور محمد مصطفیٰ رحمتہٴ العالمین^۳ نے نوعِ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ آخرین عطا فرمایا ہے۔ یہ علامہ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں۔

خلوت و شمشیرِ قرآن و نماز : اے خوشِ عمرے کہ رفتِ نذر نیاز
ترجمہ :- خوش نصیب ہے وہ عمر جو کہ تنہائی شمشیرِ قرآن اور نماز کو ناپائے ہوئے تلوار کو باقیوں
لے نامِ حق جگانے جہالت کو مٹانے اور قرآن کی روشنی سے اپنے اور دنیا کے سینوں کو منور کرنے اور
نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے میں گذر گئی۔ جاوید نامہ میں اور آگے یوں تشریح کرتے ہیں :-

گفت اگر از دامنِ داری خبر : سوئے این شمشیرِ و این قرآنِ نگر
این دو قوتِ حافظِ یکدیگر اند : کائناتِ زندگی را بخود اند !
وقتِ رخصتِ با تو دارم این سخن : تیغِ و قرآنِ را جدا از من ممکن

ترجمہ :- کہا اگر تو میرے لاندہ سے باخبر نہا جاتا ہے تو میرا زہی ہے کہ اس شمشیر اور اس قرآن پر سے
نظر نہ ہٹائے۔ (۲) یہ دو ایسی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے کی محافظ ہیں۔ کائناتِ زندگی
تو بس اسی خود پر گھوم رہی ہے۔ (۳) میں رخصت ہونے کے لیے میں تجھے میری وصیت کرتا ہوں
کہ کبھی تلوار اور قرآن کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔ علامہ اپنی معروف کتاب "مافر" میں فرماتے ہیں
صد جہاں باقیست دو قرآنِ ہنوتہ : اندر آیتِ آتش کے خود را بسودہ
ترجمہ :- اجماعِ قرآن میں سیکڑوں جہاں باقی ہیں۔ اے مومن اسکا تجھے پتہ لگانا ہے تو قرآن
کی آیات میں سے ہر ایک کے اندر خود کو گم کردے تاکہ پتہ لگا سکے اور سیکڑوں جہاں اپنے

قبضہ میں لے سکے۔

قرآن کے مقامات اعلیٰ اور اسکی افادیت اور فیض حکمت اور اسکی خردت پر روشنی ڈالنے کے بعد علامہ بہار اور اسلاف کا قرآن کے تعلق سے بانگ درا میں تقابل کرتے ہیں کہ :-
وہ نہ ملنے میں معزز تھے مسلمان ہو کر :- اور تم خواہ ہوئے تادمک قرآن ہو کر
قرآن کو چھوڑ دینے یعنی آئین قرآن پر عمل نہ کرنے کا انجام دیکھ لیا کہ ذلیل و خواہ ہو گئے پھر نہ موند
بے خودی میں فرماتے ہیں :-

گھر تو ہی خواہی مسلمان نہ لیستن :- نیست ممکن خبر بقرآن نہ لیستن
تو ہمدانی کہ آئین تو چیست ؟ :- نہ یہ گروں سر تمکین تو چیست ؟
اے گرفتار رسوم ایمان تو :- ضیوہ ہائے کافری زندان تو

ترجمہ :- اے مسلمان ! اگر تو چاہتا ہے کہ مسلمان کی طرح زندہ رہے تو یہہ اسی وقت ممکن ہے
جبکہ تو قرآن کی تعلیمات کو شیوہ حیات بنائے (۱) تو خود جانتا ہے کہ ترا آئین ترا قانون ترا
دستور کیا ہے اور آسمان کے زیر سایہ تری شان و شوکت و دبیر اور باغرت زندگی گزارنے
کا راز کیا ہے یعنی قرآن حکیم کے آئین پر عمل آوے ہی ہا تجھے مرتبہ اور زور و طاقت سے ممکن نہ کرے گی
ہے (۲) مگر افسوس اے مسلمان تو تو رسوم، رسم و رواج کا قیدی بن چکا ہے۔ اور شیوہ ہائے
کافری کے قید خانے میں تو قید ہے اور تیرا ایمان بھی :-

پھر جاوید نامہ میں فرماتے ہیں :-

خالصہ شمشیر و قرآن نہ ابید :- اندراں کشور مسلمانان بہمرد

پنجاب کے سکھ تو تلوار اور قرآن لیکر چلتے بنے اور ہندوستان کی سلطنت میں گویا مسلمان خرچہ
ہو کر رہ گیا پھر موند بے خودی میں فرماتے ہیں :-

ملت سے رافت چون آئین نہ دست :- مثل خاک اجزائے اواند ہم شکست
مہی مسلمان نہ آئین است و بس :- باطن دین بنیائے این است و بس
برگ گل شد چون آئین لبست شد :- گل نہ آئین لبست شد گلستہ شد

ترجمہ :- (۱) جب آئین و دستور قبیلین ملت کے ہاتھوں سے جاتا رہا تو ملت بھی جاتی رہی اور اس کے
اجزاء خاک کا مثال بن کر درہم برہم اور منتشر ہو گئے۔ (۲) مسلمان کی ہستی اسی بقا کا صرف آئین قرآن
ہی پر انحصار ہے بنی محمد مصطفیٰ صلعم کے دین کا باطن دستور قرآن ہی میں مستور ہے۔

اول جب بھول کی پٹھری کر، آئین کے تحت ایک دستہ دالیتہ متہ تھا ہے تو پھول پھول کھلتا ہے۔
اور گلدستہ سا نکھار پیش کرتا ہے یہ مثال دیکر علامہ سمجھا رہے ہیں کہ آئین قرآن کے تحت مسلمان بھی والیہ
اور متحر رہیں تو انہی بہار دیکھا سکتے ہیں۔ پھر علامہ فرماتے ہیں۔

صوفی پشیمیدہ پویشی حال مست : از شراب لغہ قوال مست
آتش از شعور عساقی در دلش : در نمی ساند و لقاؤں مخفاشی
واعظ داستانِ دین افسانہ بند : معنی اولست و حرف اول بند
از خطیب و دلیلی گفتارہ او : با ضعیف و شاذ و مرسل کاراؤ

یعنی عام مسلمانوں کا تو ذکر یہ کیا صوفی واعظ خطیب سب نے ایک عجیب رنگ اختیار کر رکھا ہے صوفی حرفہ پویش
تو اپنے حال میں مست ہے اور لغہ قوال کی شراب نے اس کو مت بنا کر رکھا ہے۔ عراقی کے اشعار تو اس کے دل
میں آگ لگا رہے ہیں، اس کی فہم میں قرآن حکیم کے نفوس کھیلے جگہ ہی کہاں ہے اب رہے واعظان کا
یہ حال ہے کہ ان کے مواعظ افسانوں کی طرح مست نہ لگتے ہوتے ہیں ان کے مواعظ میں الفاظ کی شان و
شوکت تو بہت ہوتی ہے مگر یہ اعتدال معنی یہ مواعظ بہت بہت ہوتے ہیں یعنی جیسا کہ بانگ در میں علامہ
اقبال نے کہا ہے صغ - فلسفہ رہ گئی بالیقین غزالہ نہ ہی - کامصداق یہ واعظ کے مواعظ بنے ہوئے ہیں
اور خطیب و دلیلی تو ضعیف اور شاذ (وہ حدیث جو ثقاہ کی روایت کے خلاف ہو) کی
حدیثوں میں کھو گئی ہے اور قرآن کا یہ حال بنا دیا ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں : اس درجہ ہوئے حرمین حرم بے توقیر

قرآن کو باز کچھ اطفال بنا کر : چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
اور عام مسلمان کا یہ حال ہے کہ جیسا کہ علامہ ابن معین حجاز بن فرماتے ہیں۔

بہ بند صوفی و ملا سیری : حیات از حکمت قرآن زندگی

عام مسلمان تو بس صوفی اور ملا کی قید میں ہیں وہ ان کے خیالات کی چکر میں رہتے ہیں کیوں طرح اپنی حیات
کو قرآن کی حکمت سے سوا کہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

ندارای معنی قرآن چہ پرسی : ضمیر ما یا آتش دلیل است

اے مسلمان تو امام رازی سے قرآن کا مطلب کیا پوچھتا ہے اس کے آیات کو سمجھنے کیلئے ہمارا
ضمیر کافی ہے۔ پھر علامہ مسلمان کی حالت زار پر انہیں بہاتے ہیں اور قرآن سے اس کے لعلق اور
معلقوں کی بدیہی کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

بایا تش ترا کا رہے چیزیں نیست :- کہ از لیس او آسان بمیری
اے مسلمان قرآن کا آیات سے تجھے صرف استقدر سر و کار باقی رہ گیا ہے اور اس کے سوا کچھ
نہیں کہ سورہ اللین مرتے وقت پڑھا جائے کہ سن کر آسانی سے مر سکے۔
کس قدر انوس ہے کہ

برہمنانہ تباں طاق خود آراست :- تو قرآن را سر طاقے ہنادی
برہمن نے اپنے مخراب کو بتوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور تو نے قرآن کو غلاف
و جزدان میں رکھ کر طاق کی نہایت بنا دی ہے۔

آخری نصیحت علامہ یہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھو نہیں بلکہ قرآن میں ڈوب جاؤ اور قرآن
پڑھو تو اس طرح کہ اس کے معنی و مطالب و احکام سمجھ کر اس طرح عمل کرو کہ تو بحسب قرآن
بن جائے چنانچہ علامہ اقبال ضربِ کلیم " میں فرماتے ہیں :-
یہہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن :- قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہر قرآن

لہذا .

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان :- اللہ کرے تجھ کو عطا جنت کردار
جو حرف "قل العفوہ" میں پوشیدہ آیتیک :- اس دور میں شاید حقیقت ہو نمودار

علامہ اقبال رحمہ اللہ مسلمان قوم کا وہ دیدہ و درہن جو قوم کے لئے الہِ پاک
کا ایک عطیہ ہیں - یہ عاشقِ رسول ہیں اور عاشقِ امتِ محمدی بھی -
ان کے تجویز کردہ نسخہ جات شفاء دہنا دامت کے لئے اکیسہ ہیں
ضرور فائدہ اٹھائیے - اور سلسلہ وار اقساط رحمتِ پلیشہ اور پتہ ہائے
مندرجہ صفحہ آخر سے طلب فرمائیے

"ادارہ"